نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آجا
اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا

ہاتھ پر تیرے یوں کسکے ہیں چھلے کا داغ
دی ہے یہ کسنے تجھے اپنی نشانی آجا

بال ملتھے کے جو ڈوروں سے لیے ہیں تونے
شکل لگتی ہے بُری آج ڈرانی آجا

غم ہے رنگیں کو نہ پیار نہ بنی اُسکے پیچھے
مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

دگانا کو اور مجھکو دیکھا جو لیٹے
تو پھر کیا گرج کر ہوا بھوت خوجا

غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو
نیا روز کرتا ہے کرتوت خوجا

دائی تھی جو بٹی گھر اُسکے میں کل چور پڑا
ہوئی باجی وہ خلل چور کے گھر مور پڑا

دن دہاڑے جو چلی آئی تو میرے گھر میں
کل دگانا ترے آنے سے بڑا شور پڑا

کوڑھ بن سے جو دوا تونے لگائی منہدی
تو ہتیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا

تیری خاطر کروں کیونکر میں دگانا پیاری
قہر اُس بات کا لپکا تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے دوا تونے بنایا ہے جو کہ
کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی بچہ نے یہ غضب ڈھا لا کیا
چھپ کے مجھسے منہ دگانا کا مری کالا کیا

حف نظر کو کا جو میری تھی جواں جوبھی کے بعد
پیٹ اُسے جب رہ گیا تب دوسرا چالا کیا

کون ایسا ہو دوا جسپر کہ اتراتی ہے تو
کوئی پیدا کیا نیا پھر جلنے والا کیا

اے دوا کس سے کہوں رنگین کی چھلا بازیاں
بیر دوڑانے میں اس نے مات بنگالا کیا

میرے گھر میں دوناخی آئی کب
میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر میرا اسمیٹتی ہے وہ
شب کو بولی تھی چار پائی کب

کل زناخی تھی میرے پاس کدھر
اوڑھے بیٹھی تھی میں رزائی کب

وہ نبختی تو گھر میں اپنے نہ تھی
پاس اُس کے گئی تھی دائی کب

دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم
پاؤں میں میرے موچ آئی کب

کھا ناکھایا تھا میں نے اُس نے کہاں
اور منگوائی تھی ملائی کب

کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی
آرسی اُسنے تھی دکھائی کب

ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ
پیش جاوے گی یہ بُرائی کب

گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں
اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج
تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج

ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انّا
عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج

اگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین
اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بجاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند
جا کر دوا وہ پچھے کا لا ری ازاربند

ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن
بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند

ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آنا یہ کہتی ہے
آیا نہ باندھنا ب تجھے واری ازاربند

باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے
کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لڑکر مجھسے وز
آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دوبار

کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں دوڑ کر
اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دوبار

ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں
واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دوبار

اُس نے ہمسائے میں آکر گھر لیا تو کیا ہوا | اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دور پار
دل پہ میرے نقش ہے رنگیں کی ساری شکل خیال | اُسکی بھجوائی ہوئی مہندی لگاؤں دور پار

کروں میں کہاں تک ملے ارات روز | تمہیں چاہیئے ہے وہی بات روز
کہاں تک سنوں کان تو اُڑ گئے | تری سنتے سنتے حکایات روز
گئے ہیں مرے گھر یہ سب تجھکو تاڑ | کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی | کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز
تو دوا ایک ہے اللہ رے ادھر فت باز | قادری مانگی تھی تو دودھ کے لائی پشواز
رشک سے منہ پہ بسنتی کے گئی پھول بسنت | میں نے رنگیں یہ بسنتی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش | جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں | ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آوے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لوٹ | جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ
دل کی میں سادی تھی کمبخت کہ اُس سے آنا | نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ
آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے | کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہوکا | بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب ہمیں دوگانا کو مراد ہیاں ہے کیا خاک | انسان کی انا سے پہچان ہی کیا خاک

کشتی میں کپی تیل کی اتنا انڈیل ڈال
سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب
بندی کو یون تو چاہے تو کولہو میں پیل ڈال

شوق مجھ کھوج مٹی کو جو ہے اس بات سے کم
بولتی مجھ سے دگانا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ ددا
گات میری بھی دناخی کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام
ادر میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں
ترے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہے گی مجھسے کچھ منھ پھوڑ کر باجی تو پھر
ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی سارے چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا
پہنیاں ہر رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شتقلین یوں چڑہیں نظروں میں تمہاری گیاں
اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں بل بڑا خاک چاٹ کر
گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر
رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ
تجھ پر کہیں ٹپکی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے
خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میری
کھنچی اس سے بھلا کب تک رہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر — بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہولی کہارو — چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مرجاؤ سارے — لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دھمک سے نہ نحتی — گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑا دو نہ کیڑے — سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی — یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں اُتری ڈولی سے ہیں وہیں تمنے — پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو — یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو — سخت بیرحم ہے تو اوہی مر یجان گئی
بولے وہ آدگے کب ہیج تب اُنسے کہا — بندی ہرگز نہیں لے بتا کہیں مہمان گئی
ٹیس پیڑو میں اُٹھی اوہی مریجان گئی — مت ستا مجھکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا — ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں ٹھان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چھتل بازی — یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ہے رنگیں سے کہیں آنکھ لڑی پر کہدے — کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے — تو اجی روح نکل جاتی ہے
کھوجڑا جائے مری آنکھوں کا — نیند کیوں اِن کو نہیں آتی ہے

آج دروازے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے — میری کو کالی اجی گود بھری جاتی ہے

تیری چھوچھو کی اجی کوئی بڑہا دے شلوار ۔ بوجھ سے اسکے ننھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سے مری کوکا کے پرے ہٹ دائی ۔ تیری صورت سے وہ ڈر پوک ڈری جاتی ہے
تیری پروا نہیں رنگیں کو اری آنا جان ۔ اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدہارے گا سنا ہی میں نے ۔ جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹھے سے تجھے دوں گی بلہ ۔ لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

آنا بڑا ہی مسا ہے اک اُسکی ناک پر ۔ جتنی بڑی وہ دامری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع ۔ کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل رکی اوڑھنی ۔ باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش ۔ اور آپ اوڑھ بیٹھیں سلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا ۔ آنا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں ۔ سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑیو ۔ کولے تلک جو سر سے مری ڈہلکی اوڑھنی
بھاری بنت ٹنگا دے کہ سر پر لگا ؤں میں ۔ سر پر مرے ٹہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا مجھے رنگیں کے دام میں ناحق ۔ کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی ۔ آنا اتراتی ہے جوبن پر دا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے ۔ منہ چڑاتا ہے موا انشا جیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر والا نکلا آج
کیوں نہ پھروں میں اہلی گہلی او چڑالا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی وہ دلآزاری نگر
تیرے صدقے ہوکے مرجاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو
تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور خدا کو بھاگ لگے
اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں عاشقانہ اور ریبانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتاً درج کرتا ہوں۔

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے
زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے

حرم سے شیخ نکلے ہیں خرغوں کی صدا دیتے
مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے

نگوڑے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید
اینن آبادیں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلھاڑی ہے

وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کوئے ناز میں اکثر
محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں بدآماں کی بھڑکائی ہوئی
ہائے دیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیمہ کے لئے | میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہو گدرائی ہوئی
اے ذرا نکلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر | رکھی رہجائیگی یہ اڑھنی جو رنگائی ہوئی
دولھابھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو | باجی آج آیا ہیں کچھ جھکی سی شرمائی ہوئی
شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایکدن | یہ تو بتلادو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بھنے کہیں منہاب بیٹھے ہیں | جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق بے تاب بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیر آباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر بہتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز وگداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دلکشی اور رندانہ مضامین ہے جو نوشی کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی مجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہو گی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھپر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا
مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہے ید طولیٰ کیسا
ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں سننے کے نہیں
آیئے آیئے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید
میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگالے ان کو
اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ
کوہ کن ہو تو ہوئیں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا
اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آ کر کہ الٰہی توبہ
ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہی
ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ آئے نہ گئے
بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا
جب جام دیکھے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش
سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

جُن جُن کے آج شیخ نے انگور کھا لیئے
اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا
آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منھ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہیں جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منھ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے بہو پہنچتے ہیں مگر خو نہیں ریاض
کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب
بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوائے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاض
اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا
ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ
کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

اے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھوا دو میز سے مے و ساغر ریاض جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر
یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا
کہاں یہ آج بزرگِ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت
کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض
ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں یہ تنہا لیٹیں
سوتے ہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں مے ناب بھریں جاڑوں میں
ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے ٹھٹھرنے والے

واعظا انگور میں ہے دختر رز سو بہ نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی

شیخ صاحب برائیاں مے کی
کاتب اعمال نکلے کام کے

پاس آداب بزرگی ہے باین وضع جنوں
اُتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا اے شیخ

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
چھیڑ کر بزم زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی

ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے
بے مے کیے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

اور جو کوئی چھیت کی آجاے
مل گئے دو دو شریک الزام کے

جب چلے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے
گرہ میں دام نہونگے ادھار پی ہوگی

ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے
پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

زاغ - یہ تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پرگو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتی کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ مشغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے - حتی کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر اُلجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھسے عرصہ سے ملاقات ہے - مگر پھر بھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوئے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری سے

جو ایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔ نازش کی عمر اسوقت تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔ مگر طبیعت میں تو جوانی کی شوخی اور دل میں اوائل شباب کی امنگیں باقی ہیں۔ تاہل اور خانہ داری کے مخمصوں سے بالکل آزاد تنہا گوشہ عافیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مٹی ہے سوزن ظلمت سے لیلئ شب نے
ازار صبح کی میانی ادھڑ گئی ہوگی

رقیب ناچے گا لکڑی کے بل سر محفل
جو اُن کے دست مبارک میں گڈ گی ہوگی

سنڈاس کی بدبو کا فضا میں اثر آئے
نالوں میں مرے نکہت گوز شتر آئے

وہ مجھسے یہ کہتے ہیں کہ کیوں میرے گھر آئے
جوتہ سے خبر لوں گا جو اب کے ادھر آئے

بھنگن پہ طبیعت کبھی دھوبن پہ طبیعت
اے حضرت دل آپکے دشمن کدھر آئے

گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا
نیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے

دکّان دل عاشق صراف پہ کل وہ
دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے

بسکٹ نہ سہی نان خطائی ہی دکھلادے
مدت میں ترے عاشق خستہ جگر آئے

وہ مانگتے ہیں زاغ کے آنے کی دعائیں
اڑتا ہوا اللہ کا مارا ادھر آئے

لاش پر ساوہ مزاجوں نے ملا کافور ہے
زاغ بگلا بن گیا میت پہ بیرون نور ہے

پاک نیت سے رُخ روشن کا نظارا کرو
غیر کو بھیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈاٹ لگائیں صاحب
واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا

ضبط ہوجائیگی شمشیر ادا تیغ نظر
آپ لیسنس نہ رکھینگے جو ہتھیاروں کا

سُن کے یہ بات کہ ہے انکی سواری گدھا
چرخ چارم پہ دماغ آج ہے گھسیاروں کا

میرٹھی مُلّا سے یہ پوچھے کوئی کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زانی۔ دکن کے ایک مشہور ہزال تھے۔ میر غلام حسین افسق بُرہانپوری انھیں کے شاگرد تھے۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں۔

زٹیر۔ سید باقر حسین نام ہے۔ سُنا ہے کہ مشاک گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھسے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس سنگ خارا کی ہے یا رکھی ہوئی سل سل کے پاس

یار نے پالے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس

ناک کے پہلو میں مسہ گال پر ہے یار کے اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس

کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس

یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس

گر طلسم اختلاج قلب ناگہ بسے وہ یہ سلیپر پیر کی لٹکا لے تو اپنے دل کے پاس

ہے جبین پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک یا کھرل کا رکھ دیا نیچر نے بٹہ سل کے پاس

پھرتا ہے اسوقت زٹیر اُس کے رخ کے ارد گرد گھومتا ہے یا چکور اسدم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی گدہ گاہ شیخ جی منت کش نائی نہ تھی

بے سبب کس واسطے پھسلا مرا پائے نظر سبزہ خط عارضِ جانانہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی اندھیری قبر میں
کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو ہیں ملختن میں
یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک - گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اُس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب
ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا لش
مابقی دلہ و سادہ و دگر ارباب طرب

درحسب نائہ شاں از ہمۂ خلق جدا ست
در نجابت لبعز از یل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را
درجہاں چوں صفت رند و واں داطلب

یک ازیں قوم ندید است و نوبت کشمیر
بزنگر دو چو ز سوراخ براید عقرب

بے یک حبہ دو انند شتاباں بہ دمشق
نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب

بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند
بعداوت چو در آیند مجوئید سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور
بسخاوت چو غراب و بہ شجاعت ارنب

جز دو نظمے کہ کنند خامۂ آنہا تحریر
ہزج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب

گر کشند از تن زارت چو پشش خوں چہ عجب
دریر نداز کفت ایماں چہ بعید و چہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے
لنگ و عمامہ تمامی بردازاہل عرب

تا نمی زاد ز دنیائے دنی کشمیری
کاش ایں قحبہ بستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزین نام و خطابش آمد
در سخن یافتہ ریسہ جز و زباں تا منصب

بیحیا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد
خاک او ساختہ مخمر زپے خجلت رب

قلتباں چوں نہ دہد طاق عروساں ساماں
میہماں جفتہ نمانند بخوابش ہر شب

ہمچو پیکاں تہ دلش غیر دل آزاری نیست
چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب

خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بروئے زمیں
سر بسر خانہ بر انداز چو راس الست و ذنب

ساکن دیر شدہ و زائرِ بتخانۂ ہند
غور کن بود ان اورا بہ بنارس چہ سبب

کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت
کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب

فتنہ با زاد بہ ایراں ز وجودت شاید
مادرت ام خباثت شدہ چوں بنت عنب

چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن
روئے سوراخ نہ دید است و نو بت عقرب

حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید
بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب

حرف سین

سب رنگ - قاضی عبد المغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے - ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے - چند شعر مل سکے یہ ہیں -

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی
لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دیس پھیر دی جھاڑو
تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن
ابھی تک آپ کو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرائے گئے تھے دل میرا
اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں اب وہ کاٹ کھاتے ہیں
یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی

سنا ہے پیٹ میں آج اُن کے درد اٹھا کر
مزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے - منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کرکے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں الیف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہوگیا - اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابوالکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظرانداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں ہر طرف
ہے جو ہر سوئی المثل فرخندگی خندیگی

سال تاریخش چو ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت
شیخ چلی آگئے دنیا میں باسنجیدگی
۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم
تن زار گھسکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا
کیا امتحان عشق میں میں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا
اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں
جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے میں عشق کے
بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب اُن کے کانوں تک وہ نالہ کے
منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا
ساتھ سائیس کو لے گاڑی میں فریاد کیا

بغلول کے مختارنامہ عام کا ایک شعر

سپردم اُنھیں مایۂ خویش را
وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیزو حق تعالیٰ کبریا ہے
شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

ہوئے بجلے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ در گڑھیا　　وہیں رہتے شل ہنڈک وہیں غائب کرتے

سخی - تخلص سید پرورش علی نام - آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے - رند مشرب - آزاد مزاج - یار باش خوش خلق - پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے - بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے - بھاکا میں انور تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی - سنہ ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پا کر سنہ ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی - نمونہ کلام یہ ہے -

بوسہ للہ سخی مانگتا ہے　　ایک دیجیے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو　　گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دل کو گھر بے محل جائیگا　　اجی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل میں آنیسے یہ فائدہ ہے　　ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام　　انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں　　میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک میں جس کا نامۂ اعمال　　دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

توبہ ہے شیخ جی بُرا نہ کہو　　دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو

دل کھلو نہ نہیں جو کہتے ہو　　ہم یہی لیں گے ہم یہی لینگے

سحر مولوی - اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنی میں کہی گئی ہے -

طباشیر سحر عکس بیاض روئے جاناں ہے　　چمک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے

الجھتی زلف نیلی فام ہے شبدیز مجنوں پر　　کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پروردہ ہے کس انداز رعنا کی — کہ مجھکو خواہش دید تغافل کیش ہر آں ہے

زبونی کش ہوا میں کب تجلی ہائے پنہانی کا — مرا دل بھی گذرگاہ تجلی ہائے جاناں ہے

نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو — کہ ہر اک لخت دل پروردہ آغوش ارماں ہے

تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے — کہ وقف سادگی ہائے دل بیدار و خواباں ہے

نہیں ہے رابطہ الفت کسی سے جز حسیناں ہے — کہ ہر اک بات میرا اک راز اک انداز پنہاں ہے

میں احساں کش ہوں کیونکر ترے لطف نہانی کا — غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے

وفائے حسرت رنگیں بیاں عجب ارادت ہو — تعجب کیا سحر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

نثار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب منیر کے تلمذ ہے ۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اُسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں ۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں ۔

افیون پی کے کھائیں جو تیتر کی ریوڑیاں — کیا مکھیوں کے حلیے ہیں مجھ ناتوان پر

ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا پیش قیمت ہیں — اِدھر تھیلا ہے کولوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد ۔ دسیر کہسار ۔ سو جلم سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بجنا تھ تھا ۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے ۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے ۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں وہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں ۔

اول اول یہ اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے ۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اسمیں پیدا ہوگئی ۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی ۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسوم ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور انکی مرمحاورات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لند ہور کی داستان خیال کرنے لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش ونگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں ناشناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ اڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پاکر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظریفانہ کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز جو تھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جسے بنے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب الو

فتوی کاشی کا کون مانے | لاکھوں میں آپ نے کھلے خزانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند | رندوں کی گرہ میں باندھے بند
بے منھ سے لگائے جام بادہ | اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ | کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چہم | با نازو کرشمہ و خشم و چہم
بحر خوبی ز پائے تا فرق | ہنستی کھتی ہوئی انا البرق
بھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی | ابھرا سینہ کھچوری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی | پیاری پیاری کچیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان | جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی | اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان | میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو لے کے آپ کھاویں | بیٹھے بیٹھے مزے اڑاویں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ | جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن | تسلیم جناب قبلۂ من
نڑکے شکلام پر درم ہو | شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا | سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یار و دنیائے دوں ہے کس کی | میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو وسکی | کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن مدعیان بے خبر کو شرمانا چاہیے جو خواہ نخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی | دے بھپیۂ چھکڑہ دو بردی
اے کاگ جہندۂ لیمونیڈ | دے برق جہندۂ بریگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی | دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے درتگ وپو برنگ دلدل | دے گولۂ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں | دے برش خنجر صفاہاں
اے جوشش ابال گرم ہانڈی | دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت قبچاق | دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانۂ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانۂ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت سرائی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام | دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی | ٹپکا منھ میں افیم ساقی
چینیا بیگم کا عاشق زار | یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی | رہجائے یہ آرزو نہ باقی
ساقی قدح افیم دیدے | اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھجائیں | اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار | پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے ۔ دشمن میرا تباہ ہو جائے
سطریں ہوں رشکِ زلفِ خوباں ۔ اور روکش کاکلِ حسیناں
ہر لفظ بنے جنبش کی دولھن ۔ اور خواجہ بدیع شوہر ان
ساقی چینی کی پیالیاں لا ۔ آبِ اسود کا جلوہ دکھلا
کر رحم پلا افیم چینی ۔ نادرت بہ کشتم کہ نازنینی
ہونٹوں پر آگئی مری جان ۔ رنجم مفزاے بامدادان
تو بے خبر اور میں ہوں رنجور ۔ اس ملک کا کیا یہی ہے دستور
ہے میری دعا کہ خالقِ کن ۔ برسائے تری دکان پر ہن
مجمع رہے وہاں افیمیوں کا ۔ دل بادل چیونٹی مکھیوں کا
بیاری موت بد بلا ہے ۔ بس اس کی افیم ہی دوا ہے
مرجاؤں گا گر نہ دے گا افیون ۔ سوگند بذاتِ پاک بیچون
پیاری ہے افیم جان و دل سے ۔ پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبانِ خوجی (خواجہ بدیعا)

پلا ساقیا مالوے کی افیم ۔ کہ ہے شوقِ گلگشتِ باغِ نعیم
کرم کر حقیروں پہ مائی ڈیر ۔ میں قربان جاؤں ذرا کم ہیئر
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا ۔ جھلک آبِ اسود کی مجھکو دکھا
نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ ۔ نہ چانڈو نہ افیون گا نجا نہ بھنگ
جلا دے دم واپسیں اے کریم ۔ سرہانے پہ کہہ قم باذن الافیم
نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ ۔ پلا جام افیوں ابھی بیدرنگ
دمِ چند کہ عیش بے رنج و غم ۔ پڑھوں یہ کلام فصیح عجم
کرم کن ترحم بہ حالِ سقیم ۔ کہ ہستم اسیرِ کمندِ افیم

جو ٹپکے مرے منہ میں افیون ناب | تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب
سخیاں ز افیون پر میخورند | سخیاں نبات و شکر می خورند
نگہدار ما را ز راہ خطا | خطا در گذارد افیم بما
نداریم غیر از تو فریاد رس | بدہ جام افیوں باقی ہوس
خراب و سیہ مست و تردامنم | بدہ او بیم او بیم او بیم
بدیعا بس اب روک لے اپنی زباں | دم صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر | قرولی سے خالی ہے میری کمر
قرابینچہ پاس ہوتا اگر | تو کچ کر کے میں بھونک دیتا مگر
جو پینک میں ہوتا نہیں بے خبر | تو بھٹے کی صورت اُڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں قند کے ہیں | چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں
کھٹیاں وہ کھا کے رات کو نقرہ سے ٹل گئے | افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرد گو ہیں گنہ گار ہمیں | ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں وفادار ہمیں
کیا تری کاکل پیچاں کا کیا نظارہ | سیو کس واسطے بل کرتے ہیں نظارہ ہمیں
سیے حلاب کو گلقند عجب ہوشیار | ڈالوں شکر جو تیرے اترے ہوئے ہار ہمیں
بھیے پائیں جو مرے گل کے لب شیریں کے | قند گھل جائے شکر خوروں کی منقار ہمیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی اکی — جابجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد — بدلے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو میں مزا ہے اے دل — ہے عوض آبکے شربت انھیں تلواروں میں
لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح — دہوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو یار — صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحانِ کو بہ کاری میں رہیں ثابت قدم — جوتیاں جسدن لگا کر چاہئے جاناں دیکھ لے

افیون کی کم میں یاں سے نکلے — تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپچ افیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک کہ نہ دل کی بے کلی جاے — او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا — نشہ افیوں کا چڑھا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ سترک میں رہے گرد ہر اک افیونی — ڈہیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری
کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ زردے کا طباق — ورقِ نقرہ سے کردے کوئی زینت میری
اُٹھ سکتا نہیں افسوس تباسا مجھسے — بڑہ گئی کھاکے مٹھائی یہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا حبشی دیکھ کے حلوا سوہن — جلوہ دکھلاتی ہے شاید شبِ ظلمت میری

مصری کی بغیا چلکے صنم بیچئے افیم — ہے جاے لطف کھیت دہاں نیشکر کے میں

سرپٹ - محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ نغمہ ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس فسان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا ۔ ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا
بھونکتے کاٹتے ابتک نہیں دیکھا لیکن ۔ موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا
آجتک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا ۔ ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا
کسطرف یار کو اب ڈھونڈھنے جاؤں سرپٹ ۔ ہم پلہ پرسی میں بھی کئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں ۔ لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں
ہر شن کی باندھ بندھ سے واعظ نجات ہو ۔ ہڑتال آپ کیوں نہ ملالیں خضاب میں
وہ اسطرح تو عارض روشن دکھا چکے ۔ ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں
یہ کالے کالے تل رُخ پر نور پر نہیں ۔ کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چینی کی قاب میں
پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے ۔ اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں
آئندہ میل مست سے بھی بڑھ جائیں کیا عجب ۔ بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی مژگاں میں ۔ کہ جیسے بارہ سنگھا جا پھنسے کوئی نیستاں میں
تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کر دوں سوت تانی ۔ گرا دوں آج لیجا کر کسی رستے کی کوئیاں میں
کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے ۔ چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں
منڈاتیں ایک ہفتہ میں جو سر دو مرتبہ اپنا ۔ اب اُن سے کیا کہوں دل ہے تمہاری زلف پیچاں میں
وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں ۔ کسے ترجیح دوں آخر میں لیبر اور ٹوریاں میں
تری یاد اسطرح آتی ہے دل میں لے مسیحا دم ۔ کہ جیسے ڈاکٹر ہر صبح کو آتا ہے زنداں میں

ملا دل ڈھونڈھے کا خوب موقع آج حسرت کو
وہ کہتے ہیں جو ہیں دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہدو کہ مچھر ہو
یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو

پڑا رہے پر ہو مرگھٹ پر ہو چکی کی سڑک پر ہو
کہیں تو دید اُس اُلّو کے پٹھے کی میسر ہو

کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی
اگر ڈڑھیل ہو دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو

الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جاناں سے
بغل میں بسترا ہو اور کھٹیا اُس کے سر پر ہو

تمہاری گول آنکھیں لال منھ اسٹول کی بیٹھک
یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو

یہ کیا بندر کی صورت میم لائے ہو ولایت سے
ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو

عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو سر گوبر
خدا سمجھے تمھیں معشوق بنیا اُس کے نوکر ہو

ستانے کا مزہ میں بھی دکھا دوں اُنکو اے سرٹ
جو میرے ہاتھ میں جوتہ ہو اور اُنکا گھٹا سر ہو

وہ ننگے پاؤں آدھی رات کو ماں باپ سے چھپکر
ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو کھٹ پٹ ہو نہ ہو دیگر

سرکوب ۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اُسی ٹائپ کے ہیں ۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یار ماں
کیا بتائیں میں
مارو تو موت مارے ہی جھٹ سی اجار ماں
ازار

سب کا جگائے دیت ہیں چرچرا کے
لیٹا کرب نہ آج سے سارے سیار ماں
چپایل

مونڈھے پر اُٹھا کے رکھ کے بڑی دور بھاگ جاب
گردن پر اسکو
لگا جو کوئو روج اکیلا بجار ماں
لگیا جو کسیدن

کریا ہے رنگ ایس مرے بانکے یار کا
کالا ایسا
ہوئی جاے رات دن کا جو نکلے بجار ماں
دن کو

دو دن سے ہمکا دیکھ کے وہ بڑبڑاے لاگ
چلاے دیب تنکو جو چھیڑ دیجا رماں
چلاے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گے نکسا لہو ہاے باپ رے
دانتن سے ایسے جو رماں کاٹس پیارماں
زور کاٹا

نکلا

مارے ڈرن کے بھاگ گیوں لیکے اپنی جان
دیکھوں لہو بھرا جو میں اُسکی کٹارماں

کرمن سے جہہ کا ڈیل ملا ہوے تاڑ سا
وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کب بجارماں

بھیتر اندھیری کُٹھری ماں ہمکا لٹاے کے
گھنٹن سے لاگ ہے سر آپن سنگارماں

سرکوب تارا ٹوٹا کرت ہے سکار تک
موتی پروت ہے جو وہ موڑے کے بارماں

صبح
سر کے بال میں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا - بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف - اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ سے کما ینبغی واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل وظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے - تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے - کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں -

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی ۔ اور ہزلیات

ان ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجہ فحش تک پہونچ گئی ہیں ۔ مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں لاجواب ہیں ۔ بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں ۔ بہت سی جگہ الفاظ تیس ہیں مگر ایک ایک لفظ میں تنو تنو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے ۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھدوں ۔ ملاحظہ فرمایئے ۔

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر اور غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن بود بندۂ نازنیں مشت زن

لطیفہ ۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا ۔ گھبرائے ہوئے اٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا ۔ وہ بگڑ گیا ۔ اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا ۔ کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا ۔ آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا ۔

چوں گرانے بہ پیش شمع آید خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اسکی آستیں پکڑ اور شمع کو مار ڈال ۔ یعنی بجھادے ۔

لطیفہ ۔ ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہوگیا ۔ اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا ۔ مگر کیا کرتے مجبور ہوگئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا ۔ مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبتلا ہوگیا تھا ۔ اب وہ غمزے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لیے آیا۔ بادل ناخواستہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہدت بود — صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بہ صلحش — کش فتحہ و ضمہ برنشاندی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد — دیگ منہ کآتش ما سرد شد
چند خرامی و تکبر کنی — دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست — ناز بر آن کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نو خیز پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است — داند آنکس کہ ایں سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز — دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زارے ست — بسکہ برمیکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گردست بجاں داشتمی ہمچو تو بر ریش — نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو چھوٹے چھینٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا — چہ شد کہ مورچہ برگرد ماہ جوشیدست
ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیریں است — تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریش آمد و بلاغت خد — مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجائے خویش نتواند خاست | الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ - ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی - مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے - آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی - اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا - عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی - بڈھے نے سرِ عدالت عورت کی بڑی مذمت کی - اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا - پوری حکایت یہ ہے -

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے | خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دختر کے خوبرئے گوہر نام | چو درج گوہرش از چشم مردماں بہ نہفت
چنانچہ رسم عروسی بود تماشا کرد | دلے بحملۂ اول عصائے شیخ بخفت
کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت | مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بدوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت | کہ خان و مان من ایں شوخ دیدہ پاک برفت
میانِ شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں | کہ سر بشحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست | ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں - مگر ہزلیات جو از سر تا پا شوخی اور تمسخر سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں - اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں -

آں شیفتہ را چو باد در بوق افتاد | آں گنبد سیم رنگ در داد بباد
از بہر منارہ زاویہ وقف نکرد | ہمسایۂ بد خدا لے کس راندہاد
آں عہد بیاد داری و دولت داد | کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز گر بختی کہ کس چو تو نبود
و امروز بیامدی کہ کس چو تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر بر می آید
موئے زنخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں ... ن تو می آرم یاد
آبم بہ دہاں ..... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں
از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید
کاے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی
ببری رونقِ مسلمانی

خدایں حافظانِ ناخوش آواز
بیامرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو در مشت کس نمی گنجد
کہ دیر شد کہ ندید است ایں دواں امید
ترا دوات سیہ کرد روزگار ہنوز
مراز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور
بوقت عمر پشیماں ہمی خور د سوگند
کہ توبہ بکردم و دیگر گنہ نخواہم کرد
تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دیو گر صومعہ داری کند اندر ملکوت
ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بہ راعہ و دستار کس است
دزد دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امردے کانرا پلاسے در براست | خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد | چوں باز کنی مادر مادر باشد

زربا مردکسے دہد بہ گزاف | کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم | چہ خوش باشند ہم زانو وہمدم
ہر انچہ آنرا بود ایں را مہیا | ہر انچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق وحجرۂ وگرمابہ وکوے | بصحرا باہم ودر خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف | دگر بار ایں موخر آں مقدم
گرایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر | نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستدارم | اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند | عروسے را بدست آور معمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پلے | تو پنداری کہ خروارے ست شلغم
حجاب نام وننگ از پیش بردار | کہ محرم ل نہ پوشاند زمحرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار | ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است دیوار | حدیث دشمناں بادست درچم
ہرآں کز پشت آدم زاد ناچار | رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز | رہ این است اے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چونتو در اسلام | کہ فتنہائے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دو دست تو یک ہفتہ برقفا بندد
بہفتۂ دگرت ریش تا میاں باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی
جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع
تا خایہ فرو بری سرش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد
بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست
راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بہ کویت بہ شکار رفتہ بودی
تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف وظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہے اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بو اسے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو بہے چائے کا دریا ہو کر
عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر

اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر
انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر

شوربا تاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر
حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادا ہو کر

لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر
سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر

اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی
چائے نسخہ میں لکھی جائے بنفشا ہو کر

کوفتے خواب میں بھی جو تو برہمن کھالے
توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر

عقد بریانی کا جب وقت مطنجن سے ہوا
کٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر

فرقت قاب میں کی پیر نے اتنی زاری
کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر

نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو سے نجات
بہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر

اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ
قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر

ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور
چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر

خشک سالی میں نہ کہہ سوختہ امید پلاؤ
پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ مرزا مہر اکبرآبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخر کار ۱۹۰۸ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ دیوان مرتب ہو چکا تھا۔ مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

واہ وارے ملک الموت تری باریکی
گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے سفلی خدا بچائے
کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھکر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلیے
اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں
نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور میں ہے نہ وہ لذت انار میں
منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا
مجھ سے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے
دہائی جسطرح سے عیب جو اولیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ
بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بنے اک ریا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ
کہ چکلے پر نہ بیلن اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں
نہیں تنا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھاؤ گل مرے مرقد پہ اے گل اندامو
یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زین خاں کے لئے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑو کدھر گئے میکش
بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کے لئے

آیا صاحب کے میم کے مس کے
دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا۔ یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیوا بیانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسراوقات کرتے تھے۔ ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعراے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال براے نام جل رہا تھا۔ اُس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدردان ناپید اتھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ اِدھر یہ عالم اُدھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آرہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدردانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ اِدھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجوؤں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی نخوت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام ۔۔۔ کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں ۔۔۔ جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں ۔۔۔ ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر ۔۔۔ جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ یکسال ۔۔۔ تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی ۔۔۔ شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا ۔۔۔ ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے ۔۔۔ وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

سُن تو ٹک اے نصف انساں نصف خر ۔۔۔ ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق ۔۔۔ نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں ۔۔۔ جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر
عقل کہتی ہے کہ کھاے پر نہ کھا ۔۔۔ حمق کہتا ہے کہ جیضے سے نہ ڈر
سیدلے میر مثلث آپ کو ۔۔۔ کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا — بیوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بڈھے چونڈے کو جب ہلایا — تب شیخ سدو اسپر غصہ کو کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی — بے آج گو کہا ہے کل دو گے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا نتو نے گوری ہے نہ کالی — بی بی کو اور تم کو گھر دیکھے ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی — میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی — گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھپہ پاس کیسے کوڑی — گر ہے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منھ کو دھیلے کی ہیں گنڈوڑی — تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھکو ہمارے کرنا — دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاے اپنی پر نہ دیکھا بھس کا ہمارے بھرنا — بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو آرنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو ہے منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے۔

نائن کہے ہے شرم سے دولہا ہی سرنگوں — اب کیونکہ تیل زردے مقدس کی میں ملوں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمہ سے رنگوں — جی کی امان پاؤں تو اک بات میں کہوں
منھ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے — بارہ برس کی چھوکری یا جا بجاتے لائے

آئے دولھن کے گھر سے جو مقنع میں منھ چھپائے　　جیسا ہمارے کہنے کو خاطر میں وہ نہ لائے
اپنے کئے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف　　سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف
اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف　　مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجیے معاف
مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست　　مشکیں تڑا پلچ گئے جورو سے کرکے جست
بال اُسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست　　عہدے لیے برنہ آئے تھے از بس ضعیف و پست
پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو یہ صحبت ہے اب مدام　　بھڑوا و مسخرا و مچھندر ہے ان کا نام
خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو بوقت شام　　دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام
بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بوڑھے خرس وہ ہے شوخ چلبلی　　ماری کبھو تو دھول کبھی داڑھی نوچ لی
ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی　　کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اسطرح کلی
پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے برسات کی ہوا　　دس بیس دن جھڑی کو ہے منہ نہیں کھلا
آتی ہے اُن کے پاس لیے تیل اور توا　　کہتی ہے یہ نہ مانئے گا آپ اب بُرا
ہم تمکو شیخ دو ندہ بناتے ہیں شیخ جی

جب گھوم نگہ وہیں کے چلے ہی لٹکتی چال　　آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سد اچال
عمامہ سر سے پھینک کے ہو جاتے ہیں ٹنڈ بال　　تب مہربانگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال
اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک روز شیخ جی کو جو رو سے جا اڑے　　کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے پڑے

اب بس ڈھبی رکھو کہیں جو کانہ گر پڑے　　　ڈرتا نہیں ہے مجھسے تو اے بھڑوے منہ ترے
کہہ دوں ابھی وداسے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بے ادب خدا سے بھی وہ ڈرے　　　آکر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے
شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے بالوں میں گے　　　یارب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے
ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

جورو کہے ہے شیخ سے اے شیخ تم سنو　　　کچھوے کو تم نے دی ہے دغا جیسے ہو بہو
میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو　　　سودا زیادہ کیا کہے ہے بات گو مگو
جیسے ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتوی دیدیا کہ کوا حلال ہے - سودا کو ظرافت کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی - اور وہ وہ ادھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں -

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے　　　کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے　　　جو فقہ داں ہیں سب کے یہ اُن کا خیال ہے
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہووے ہے چاند خاں　　　اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہرباں
کچھ شک رہا ہے کوے کی حلت کے درمیاں　　　ہمسے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں کہ ہاں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

یار دلسوہو تم اسی دیر خراب میں　　　بیٹھا اٹھا کر دہو سدا شیخ و شاب میں
حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں　　　جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل　　　ملا لطیف بولے کہ کھانا روا ہے چیل

کہتا ہے چاند خاں کیا کن نے حرام فیل   حلت پہ مینڈکی کی میاںجی کی سو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہوگئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا اُسنے بھی مجبوراً ایک کند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بننے کا   کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بننے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا   بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں یہ ہنر   نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نر   جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاریگر ہوں اٹاوہ کا سب پہ ظاہر   جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص سے ہو کچھ باہر   تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے الو بننے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ہاتف کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے اور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا - ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی - بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے - اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے - مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھے - چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے -

اے خیرہ بے تمیز بزندق بوندو عک   بے رزق و کاخ خوار لکد کوب جوب تک

گہ خوار و چوں کلاغ و سیہ وے چو غراب   غربلیہ گر چو صعوہ و چوں ماکیاں کرک

. . . .

ہر صبح باد گوز بر پشت قشوں قشوں   ہر شام باد . . . . . پلک پلک

سوز - تخلص سید محمد میر نام تھا - میر درد - سودا - و میر کے معاصر تھے - دلی میں ایک محلہ قرادل پورہ میں مکان تھا - ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا - اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے - اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہونچائی تھی - میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے - مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا - اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے -

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف   اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے - مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی پھر مرشد آباد چلے گئے - جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوئے -

درویش مزاج - عالی طبع - بلند حوصلہ - نیک طینت - خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہی چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اِدھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے — سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو — ارے رے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان — بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ — لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُور ہو — سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہو گا — تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو — کہ تم نے اس وفا پر ہم سے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر　　وفا لایا ہے دستا تیری وفا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ　　الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا　　استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی　　آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف　　طوطا ہمارا مر گیا (اُڑ گیا) کچھ بولتا ہوا
یار گر صاحب وفا ہوتا　　کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
چلتر سن نیا عیّار کا تو　　زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں　　ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حُسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ ۱۸۹۰ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں، چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکمائے یونان تریاق مسموم تاثیر القلوب۔ اور گنج شائگاں مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شایع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شایع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کردیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیۂ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو	شیخ منھ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ	لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور
آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جب نے دیکھا	چشم عشوہ زا دیکھی ساق نازنیں پکڑی
سنکے بیاریٔ سوزاں کی خبر از رہ درد	لگے کہنے کہ بڑھاپا ہے خدا خیر کرے
سرو سامان نہیں ہمسے سپاہ ہوتے	ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی باوا ہوتے

سیّد۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے میں بھی عرت اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغاباز ہو ایسے ہم ڈھونڈتے تھیں	دیکھکر جال جبہ اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں	کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کرنیکے نہ تھے جو کچھ ہمارے سو کئے	بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی
غاسطے آزاد دل کے حلقے میں داخل ہیں میاں	سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرما یہاں اے شیخ جی مت ہوجیو	کل فضیحت سخت اس محفل میں ہو لی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی - شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا - مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے - لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں -

شوخ - تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا - جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا - اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرہ یہاں نام لکھدیا گیا ہے -

---

شرف - افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی - یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں - پہلے کسی ریاست میں منیجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں - راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں - اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں - کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے - ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی - ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے - مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں - آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی - اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا - مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا - دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں -

آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوے ساغر لئے ہوے کبھی مینا لئے ہوے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر | سامانِ انبساط ادھر لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجہ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے | اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب | پر اثر مضمون اخباروں میں چھاپا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور | یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہرگز نہیں ہے اپنے شرط لابدی | قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہمنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی نباضِ قوم | اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ سب بیکار غم | اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے | مغربی تہذیب کے شائق ہوئے
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر | واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے بکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ
وہ بچھڑے ور ور تو یہ کرتے رہے بسنا پول

چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہ نوبت ہوئی
ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتیٰ کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں
عسل زنبور کا ہے رنگترے میں

ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں
یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں

نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا
یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں

ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں
کسی مجہور کا ہے رنگترے میں

مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق
دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کز لک مژگاں چشم ستمگر آکے جگر میں کھپ لگی
آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ

وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنھوں نے کل دن کو
آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدو بڑا ایسا ہی چھپٹ کار جاہے — نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے — دودھ ملیدا

شوکت - مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی - اور ملک کے نہایت موقر شعراء و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا - عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے - مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے - جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے - غالب - مومن - خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی - آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا - اور اس میں بھی آپ نے گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں - بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی - نمونہ کلام یہ ہے -

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش — تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا - دلی کا رہنے والا تھا - احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے - وہی درج کرتا ہوں -

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ ساتڈ — دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ ساتڈ
ناقہ ازن کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں — کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ ساتڈ
لے گیا دل کو بغل میں داب کر — بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے
ننگا ہی کر دو دفن مجھے اپنی گلی میں — ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا — کیا دیکھتے ہو اسکو کہو اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں — ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا ۔۔۔ جو تو عیار ہے بیرحم ہے تو میں بھی شہداہوں

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں داں تھے۔ آپ نے نظیر اکبرآبادی کے کلام پر نظر ثانی کرکے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نظیر اکبرآبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں ان کی زباندانی اور شیوابیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ ان کو نظیر کے حالات کما حقہ مل نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کردیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلاتشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھادیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو ان مدعیانِ بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا ولاغیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں انکی دہ دہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہوگیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے
لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں
تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

نپٹا مٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو
پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

ازبر تھے یوکلڈ کے تھیورم پرابلم
اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا تکیۂ کلام کی صورت زبان پر
کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے
بی۔اے۔ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں

ہمت بڑھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس
رہکر عرب میں وحشیوں کے ہوں شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا
حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس
کھٹمل کیطرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی
ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو
قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل حسن نے لگائے تھے قامت کے شاخ میں
رنگت بھری تھی روزن عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا نہ رہے قیس کے حواس
لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو ڈسٹرن کہ جلد ہوں وہسکی و صال
میری پڑی تذبذب رد و قبول میں

میری کی کرکوٹشپ کا بڑھا تازہ ذوق شوق
لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں

شہباز ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب
لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے
دور کیوں ہمسے گنج مطلب ہیں

کہو کالی رنگت ہے کیا مخروا ہمیں
کالی رنگت سے گز ہیں شب میں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند
شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں

کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب
جن سے روئے بتاں مزیب ہیں

کالی رنگت سے گیسوئے جاناں
لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں

کالی رنگت سے ابروے خمدار
تیغ و خنجر ہیں جفت عقرب ہیں

کالی رنگت سے پتلیاں دونو
چشم کے آسمانپہ کوکب ہیں

رنگ کے زیب ہے مسی کاجل
راحت چشم و زینت لب ہیں

کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں
فائدے کحل کے مجرب ہیں

زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ
متفق اسپہ کل مہذب ہیں

حجر اسود کے مذہبی بوسے
بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں

پاک کعبے کے کالے کالے غلاف
سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں

گوری رنگت ہے گر سبب اسکا
ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں

رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع
ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں

ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ
جیسے مبروص کے معذب ہیں

شکل سے سنکھیا شکر کی ایک
جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں

فرض کرلیں سفید کو گردن
دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں

پتلیاں گر سپید ہوجا نہیں
ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں

رشتہ مند دل ہیں خواں اگر ہو سفید
لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں

رنگ نقرہ بڑا ہے گھوڑونمیں
اسپہ شاہد صفات مرکب ہیں

اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار
کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں

سچ بتا انپہ کیوں تو ریجھی ہے
ہمسے غمزے ترے یہ کیوں اب ہیں

بولی قسمت فضول سب تقریر
ایسی باتیں نظر میں ناں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف
دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرتِ انگریزی

ایک مُرغ نے یہ مرغی سے کہا
لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب
جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا
بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغ نے کہ ہی فیشن یہ کیا
بولی مرغی بچہ کمفرٹ وایز
ڈانٹا مرغ نے کہ انگریزی نہ بول
بولی مرغی مرغی تیرے سر پہ ہے ڈیئر
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر وہی
مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز
وہ زباں جو ہو زبانوں کی کوئن
بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں
جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
حبذا شہباز کا حسنِ کلام
مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا
لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں
پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز
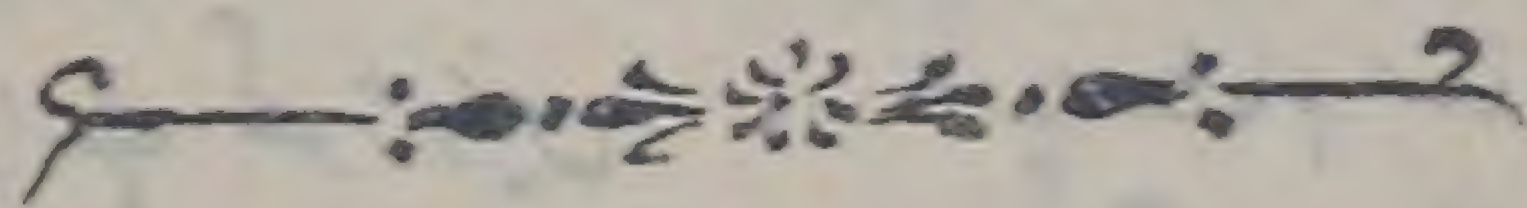
حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا
بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشار کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل
ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے
بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن
بےخار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش براحل دور۔ و
طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہرچند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ
کسے را بہ بدی نام برد۔ اما درخصوص اینکس نظر بفحش و ہزلش خلاف عنوان ناخواست
حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید۔" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش
کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح
کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بےباکانہ اُنکی
طرف ہاتھ بڑھائے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے
چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت
سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت
شہوت سے نہ کر چاک گریبان اِدھر آ

دیکھ عرق نکوہ کا پادا بدل لیا
صندل کا ریت دیکھے براد ابدل لیا

یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندنوں
بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل لگ سرخ ہے — کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سُنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جوانسے پیر — زمانہ چاہا کیا جب تلک جمال رہا

رات روشن سے اندہیری کیا تی کچھ کر گیا — اسائی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم ٹرتی ہے کشتی مجھسے جو خم ٹھونک کر — ریچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو بر ملا کرنے لگی — خوش ہوے مہتاب جب اس کے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر — کوئی ماکھو بنی کوئی بیچا

آج صاحبقراں کی آمد ہے — چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہوکر — ہزاروں بار رکھوا لمہے پانی پائخانے میں

وہ مونسا لدا جو بھنیس پہ بھوری کے بیاہ میں — غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو نور تن کے یارو شتاب لوٹو — آئی ہے حج یہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو — اب تو سو چوہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننہی کی ہے بے مثال آنکھ — چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے — میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہد نے کرتہ نیلا رنگایا بسنت میں — جورو سیہ میں کیا اُنھیں پرا بسنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے — ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پدوڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی — کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف — تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی اومیری بھولی بھالی — ہاتھوں سے کیوں چھپالی اومیری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں — اوڑھا نہ کر نہالی اومیری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے — باتیں نہ کر رزالی اومیری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو دال خشکا — غوری ہے یا سفالی اومیری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے
صاحبقران کی خاطر لازم ہے ہنسے مانا

ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
راون کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ
وہ نہ کیوں کر چلے غرور کی چال
اس کو پالا ہے اک زمانے نے

سخت وہ قحبہ بالزادی ہے
بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے موے
وہ ہاتھ میرے آئے احسان آپکا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے
میں نے صاحبقران پوچھا کہ تیرے بوسہ پر
بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے گا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے
وہ سادگی تری نہ رہی اب نکہ غرور
مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا
اُسکی بھٹی کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اُسکے دامن پہ رنگ ڈالا
قدر کر چاہنے والوں کی ارے سنتی ہے
چھاتی پہ اُسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے
مجھے بہ رفی سوا بھاتا نہیں کچھ

دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
پکا جو بیل یار وہ کسکے باپ کا کیا
پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا تجھکو کیا
یہ سدا غنچے اور بہار نہیں رہنے کا
دل ہے صاحبقران میں میرا
چینی کی تشتری ہے تیری بال آگیا
بھکنا اڑ کھڑانا اور مٹکنا
دیکھ نورن کا مکر اور حیلا
چیخی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
مطلب نکالتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
دل میرو د زدستم صاحبدلاں خدارا
پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

آ گئے لونڈے دل کے سبب سینہ مرا چاک ہوا
اب جو رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت رہنے کا اپنے طاق رہا
نفس شوہر اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لو مو پیا کرتی ہو دن رات
منھ لال ترا کیوں نہوا یجاں غنچا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں شہ گھر میں ہو
وہ ہنسکے بولی مجھے پھنسنے دہ مہا ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے بھی ننھی سی چوہیا
میرا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگادوں چھچھوندرا سے چھیڑنے کو
الہیا اگر گائے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی
جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے
قدر جاتی رہی جسوقت دوالا نکلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی
جب وقت پڑے تو دغدغا کیا

کسبی کنے ایک سے ہیں ہم تم
کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو
جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند
رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے
دھرو یا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بھکانا آج
صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں
آتا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہو ٹخ ٹخ
وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہو ٹخ ٹخ ٹخ

نہ دھرمٹ ہو نہ پٹہ ہو کہروا ہے نہ ٹھمری ہے
کہیں جو مست ہوتی ہو تو پھر گاتی ہو ٹخ ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا یا کر
گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہی صاحبقراں آندھی آئی
ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں بڑے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی
میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کر لے
نہیں رہنے کی بے شوہر اجاگر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش — اُن کے اخلاق خام پر پاپوش
اتنا رسوا کیا محبت نے — آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا کملو نے کچ پچھڑ کا کے اپنی — جو الو نہ سمجھتی ہوں بیل تو بیل
خر گوش تیرا ہوش میں سا بنا سے کم نہیں یا — ہر خانہ زاد تیرا بچھڑے سے کم نہیں
گو سوکھ سا کھنہ ظالم اچپور ہو گئی ہے — لیکن ہوئے نہ ابتک ٹا رو کے دانت کھٹے
دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے — پدمنی بھینس جو ہا عاشق ہے
مرد کب چھوڑتے ہیں رانڈی کو — گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے
رو رلاتا ہے ماش کی بوری — کیا کروں میں پدوڑا عاشق ہے

رانت سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی — اس نگوڑی کی تو کچھ صورت بیہ پہچانی ہوئی
تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے — خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی
میکدے کے رہنے والوں سے نہ پولا کیجئے — میکدے میں آپ بس افیون گھولا کیجئے
بند ہو جریان کب امساک سے — سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے
گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں — کب اُٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے

صاحبقراں سے مغلو کہتی تھی نہ خفا ہو — ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چھوڑنے کے
میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز — یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے
کہا صاحبقراں نورن سے میں نے — ہماری بہ سمجھیو تو عیب پوشی
خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ — جواب جاہلاں باشد خموشی
صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ — لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ
پر جب ہوا احتلام بولے حضرت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تاحین حیات زندگی بفراغت

گزاری - جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے - وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی -

---

صفدر - آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے - مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا - مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے - اور یہیں شادی بھی کرلی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں - بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں - اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کردیا ہے - متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے - تین چار کتابیں مشاطۂ سخن - مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے - آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں - مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے - اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے - مگر پھر بھی وہ بجاے خود ایک چیز ہے - اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے - مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں - منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی - اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں - ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں - نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے -

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں
جناب عشق بھی اب بوریا بدھنا سنبھالے ہیں

خدائی بھر سے نخرے زال دنیا کے نرالے ہیں
یہ وہ بڑھیا ہے جس پر ہم سے لاکھوں مرنے والے ہیں

ابے او پیر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹاسی گردن نکالے ہیں
یہی لیلے کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ہونے پہ بھی ہے چاٹ بونگی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر بدہو میاں بولے
ہجاڑ ول موڑ اس ہنسیا سے تمنے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرادل توڑ ڈالا ہے
بڑے ہی ننھے منے ہیں بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قاروں سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی ڈہنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جانمن روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دھجیاں اڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب بی بہار آئی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری ناکہ بے طرح اب چبتی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

نقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں پھول والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دُھت پینے والے ہیں

شب فرقت عدوے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جسدن مجھے وہ چاند گنجی کر کے چھوڑوں گا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلی ہوں وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گڑے جاتے ہیں غیرت سے
جو تھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

نچاتے ہیں حسیں عشاق کو زلفوں میں بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے جھونپڑے کہدو رقیبوں سے
مرے پرسوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے　　سر بازار سینہ کھولکر تنکر نکلتے ہیں

یہ چیت سالے کی کہتی ہے اک مس کی بادی پر　　پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے تیمبو کی　　گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپ کے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر

بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

حرفِ ضاد معجمہ

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن مصنف مثنوی سحرالبیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پر دادا تھے ۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے ۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے ۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی ۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے ۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے ۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا ۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا ۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنالیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی ۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا ۔ اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے ۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں ۔

کل تو بچی پر ابیہ فرو بکا سرہ   یا ایہا التلانکہ کرد جھلانکہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں ۔ یہ اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں ہم پر مہرباں ۔۔۔ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بیشک ۔۔۔ غلط کل مصلحان سفدت انگیز کہتے ہیں

برابر ہے ہماری پالسی اور لاٹھ صاحب کی ۔۔۔ کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں ۔۔۔ قلعی شدہ ہو جیسے کوئی لعبت مسی

پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج ۔۔۔ میری طرف سے کیا ہے یہیں صرف بے حسی

کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ ۔۔۔ یورپ میں جاکے دیکھے کوئی میری پاسی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشہ اسد اللہیاں منم ۔۔۔ روباہ را حریف غضنفر نمی کنم

کو مرغ سدرہ کو زغن قعر نیستی ۔۔۔ طوبے بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طائے مہملہ

طریف - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار
اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر

ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی
رنگیا سارا جہاں بیچ سنبھالو ہو کر

نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں یا سرزد مجھسے
کام بیٹھے کا بھی کر لیتا ہوں گدھا ہو کر

پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں طریف
جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر

نوچ کر وہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا
پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا

کر دیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے
انتہا یہ ہے کہ بندر آکے روٹی لیگیا

دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں
جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں

مرا بستر ہے سر رہگذر رہے
نہ چھپر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے

مرے طائر دل کو کیا کیجئے گا
فقط چونچ ہے اسمیں پر ہے نہ ڈر ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اُس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور سرمستان امارد پرست کے لیے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آکہ بہی از تعلینا ۔۔۔ پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلوب دلم نیست نگارا ۔۔۔ گر دنیا و عقبی دہیم فی المثلینا
با من دلخستہ اے دلدار نگیدن چرا ۔۔۔ تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن ہر چہ ۔۔۔ با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدۂ مرا ۔۔۔ اے نوبہار حسن خزانیدۂ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمندد ۔۔۔ دل من در کفت می مستمندد
بدفع چشم اعدائے تو طرزی ۔۔۔ دل خود را در آتش می سپندد
تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما ۔۔۔ نفسا ختند خلق کہ چونیدہ ایم ما
قامت خمیدہ و دل چو نقطہ شد سیاہ داغ ۔۔۔ از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما
گہ در فراق روئے تو کاہیدہ ایم ما ۔۔۔ گہ چوں کتاں ز حُسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا ز لطف ۔۔۔ حبل المتیں زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ ۔۔۔ ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم ۔۔۔ بکانون ہجرت کبابیدہ باشم
خور و خواب بر من حرامیدہ باشد ۔۔۔ اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم
گر از جملہ چاکرانم شماری ۔۔۔ ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظراف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں وہ ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے — خرید و گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے

تلاش دل جو کی چھلنی لئے پھرا برسوں — تمہارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے

ہیں لوٹنے کے حکیموں کو خوب نسخے یاد — حبوب عشق میں معجون لن ترانی ہے

محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا — ذرا سا کیوں میاں شتامشک بیٹھانی ہے

کفن میں چہرہ سے اپنے باندھے پھرتا ہوں — سنا ہے جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے

گھٹا گھٹا کے سر آتا ہے غیر واہ رے شوق — بنی جو یار کے جوتہ پہ کامدانی ہے

نہ ہے کسی سے وفاقت نہ کوئی اپنے مرے — میں جس پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے

ادھیڑ حسین ہوئے بیٹھے کوئی دکان رکھ لی — صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے

دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا — ضرور شیخ جی جورو تمہاری کانی ہے

تمام لے گئے سرکار لادکر غلّہ — شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے

کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت — نہ کھینچئے کہ لنگوٹی بڑی پرانی ہے

ہے صدقہ آپ پہ آپ پہ کیوں نہیں مرتے — غضب کی آپ کے ظراف پہ جوانی ہے

ظریف۔ میر امان اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ وبخیریت تھے۔

ظریف - سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوے وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمہاری چاہ مبارک رہے عدو کے لئے
اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے

پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں
ٹکے کو آتی ہے بدمنی یہاں وضو کے لئے

بنائیں کیا تمہیں صرف کبر شوق جمال
ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے

ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر
کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھو کے لئے

ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات
چلن کے چوک کے کسکے لئے شلو کے لئے

تمھارے لال کا دامن نکل گیا مریم
منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے

ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں
تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا
بھٹکنا چار سو اچھا نہیں جوتا ہے انساں کا

نہٹے مارتی ہے اسپہ بچے پیار کرتے ہیں
تعلق کسقدر گہرا ہے بلی اور انساں کا

بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بنو
ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا

جہاں بخیہ کیا ہے سارے دامن میں محبت سے
لگا دو اچھی بھابی تم گریباں میں بھی ٹانکا

بھلا منجھلی بہو کیونکر نہ سب کے دل گھر کریں
اطاعت اُن کی دیکھو اور غصہ نانی اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں - بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۰ یا ۶۰ برس کی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جا بجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علٰحدہ ہو کر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر با ایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادنیٰ اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیوں چلا میں توڑ کر پھوڑ جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا

شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے
تمسے بانو کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دفور شوق میں معشوق کو ڈے پکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے ادھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفربہ بنا تاہر کر
مٹے بھر پٹے پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اُسے کچا ہی کھا جائیں
شتر گربہ کے ڈر سے آنہیں سکتا ہے ہم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی سے جوڑتے ہیں
وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا
جواب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

سنا رہے ہیں جو اُن کے معاملا دل کا
پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم ابھی دار وے درد ملجائے
کہیں تو حال لاین سے کچھ للا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہمس ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہیے
پیر ہیں ساتوں فلک انمیں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ و دہلی انھیں شہروں پہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہل زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقیوں کے پڑے سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی
ابرا اگر اُٹھ آتا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت سے اٹھا بھی تو گراں ہے
ہمسے ترے احساں کا چھپر نہ اُٹھے گا

تا حشر کھرے میں تو یہی بند رہے گا
مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اُٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا — چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے
نئی ادا سے نکالی ہے طرز استغنا — کہ خود کھڑا ہے لب بام دبار راہ میں ہے
ترا جواب نہیں دسرا کی بھٹیاری — کہ دال چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے
ظریف ہے وہ جت شوخ کسقدر آزاد — جو سرگھٹا ہے لئے پشت خارہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا
دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مر جانا — یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا
رخ روشن کی جھریں حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا
مری آہوں کی توپ نکا وہ خالی خولی سر ہونا — وہ آنکھ لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا
مہذب جوتا پن ہے یہ معشوق خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے — وہ آخر تختۂ مشق اطبا کا بررجانا
بھگانا دیکھ کر انکو وہ سرپٹ اپنے ناقہ کا — میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا
جو انار جب جگے میں گل کھلے مضمون کے لیکر — ظریف اچھا ہے اردو شاعری کا طاق جانا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہاں ہونا — اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ واں ہونا
گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے — غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے — شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دیئے ہمیں — یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا
نامہربان وہ دریار پہ میرا پڑھنا — ان کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا
صاف لفظوں میں ہے ہلتے ہوئے دانتوں کا ثبوت — دہن یار کا درج در غلطاں ہونا
در و دیوار یہ کیوں کانپتے ہیں تھر تھر — کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا
وہ کفن بہر شہیدان وفا دینے لگے — ناپ کر ہر اک کو دو گز کھاروا دینے لگے

منھ بھلا کر تشنہ کام ان محبت کو حضور
شربت دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اس بت پہ جو کیدار تک
سونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت
ہو گئے گندہ دہن بوے وفا دینے لگے

پیٹ ضبط آہ سے عشاق کا پھولا جہاں
دھونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سکیاں لیں منھ بسورا عاشقوں نے سامنے
وہ کھجا کر داد کو داد وفا دینے لگے

اُن کے بیمار دل کا گھنگرو بولنا جب سن لیا
جلدی جلدی تال سٹر کا لکا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمار غم
ہو کے کھسیانے سجھونا کو سکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں
کہ چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی دخت رز کیساتھ ٹھہری ہے
مبارک حضرت پیر مغاں ارشاد کرتے ہیں

یہ وا اطلس کوئی تیلی گرام آئیں لگا یا ہے
کہ ہمکو ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمھارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریفا اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

دلیل کمسنی اب اس سے بڑھکر اور کیا ہو گی
کہ جوڑا باندھنا اس شوخ کے بچے کا نہ آتا ہے

صفت تو دیکھئے ہر چند ہمت خو و مونث ہے
زنانہ یہ پہنکر جامہ مردانہ آتا ہے

پسینہ خال رخ پر ہے یہ تخیل قدیم ان کے
گلاب قند میں بھیگا نظر بیدانہ آتا ہے

اذان دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں
بتوں کے ہاتھ میں جب سبحہ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے
پٹا آتا ہے بانک آتی ہے مجھکو بانہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا بیٹا اپنے بیمار محبت کا
اُسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

کوئی دل بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی
ادھالی کے بینگن تھے ادھر بھی ہے ادھر بھی

جھالر نہ لگے کوئی تو ادوار ہے منڈا
دعدہ ہے دہی جس میں اگر بھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہو ادھر بھی

گہہ رخ پہ نقاب آسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو جلوہ بھی ہو نہ بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہو تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہمکو ارے جا ہی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف اور پر بھی

گو ندوانی وقت پہ ملتی نہیں ہمپر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے الٹی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دوکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی طرح
پاؤں پھیلائے فراغت کیلیے جب سر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی ہے نازک خوئے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آرہی ہے بوئے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار ابروئے دوست
چوندھ ہوئی کل چاند بیشک ہوگیا اب روئے دوست

عاشقان زرد رو کے طائر دل ہیں مقیم
دو پیسے کے جو نرخ ہیں الجھے ہوئے گیسوئے دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آگئی جو دوڑی سڑک میں سب بن گئی کوئے دوست

حسن کے دلکش طویلہ میں ہے یہ بند رخئے دوست
ہے سمند ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوئے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر پسوئے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو لگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جسوقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقہ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہ ہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو وفا آتی ہے
نفع آتا تو ہو لاس مڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے جینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح ۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کردینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

" یا ایھا القوم ھوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خرّاٹے لے رہے ہیں سنو بھئی سُنو۔

ما دہل در گردن وخر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے مسلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت سے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اُٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک بھم۔ پک پھم۔ دَہم۔ دَہم۔ دَہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی اڈیورڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - وہو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم — ما دہل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت — ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم

از زکوۃ و حج صلوۃ و صوم فارغ گشتہ ایم — شاہد اندر رقص و افیوں در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر سید بہ آباد باشد تا ابد — سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مدو جزر بحر سودا را بماند حسب قوم — دل بہ دریا و سپر بر روئے آب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفریں نقص قراں مومناں — باز می پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ — گر بہ و غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است — ما دہل در گردن و خر در خلاب افگندہ ایم

حرف عین

عالی ۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی ۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا۔ اور نعمت خاں خطاب تھا۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوے کہ اصل نام سے بیخبر ہوگئے ۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا۔ جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے ۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوے اور یہیں نشوونما پائی ۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے ۔ مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کیے ۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوے۔ جب شیراز سے واپس ہوے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرۂ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ۔ اور ۱۰۸۶ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے ۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں ہیں ۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے ۔ انکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے ۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے ۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے ۔ اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے ۔ عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا ۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا۔

اے عمر صورت و عثمان سیرت — کہ ابو بکر نگہبان تو باد
روز محشر کہ بخود رمانی — پسر بو سفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ ایں کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت باست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امرائے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور حکیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑکر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی کہکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ مع جیغہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من ۔ در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من ۔ ور نیست خریدنی بزن تا بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک قطعہ جو کامگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاخطہ ہو۔

بار دیگر کد خدا شد خان عالی منزلت ۔ باکمال عز و تمکیں باوقار و زیب و زین
مہرہ در ششدر بیفتد گر کشادی رو دہد ۔ میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس ۔ ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد زنگرفتہ جہاز ۔ قد رجع من جانب البلدہ بخفی الحنین
ان سند از جبر آورد این سند از اختیار ۔ این سخن ہم در میاں ماند استاد برین

زاں طرف خفتن نہ باشد زیں طرف برخاستن ۔۔۔ شہر طہا شد و تیت و ایجاب و قبول از جانبین

گفت بہر من جہاز آوردۂ کاید بکار ۔۔۔ گفت آرے ہم چکش آوردہ ام ہم کلبتین

گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است ۔۔۔ کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین

گفت زن شد جزم چشم نیست شد و مد خبر ۔۔۔ در محالات است فتح الیاس حد الراحتین

گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول ۔۔۔ ہست سریانی و طریانی بنا بر ذہ بہین

گفت تو شکل عروس از ہندسہ گر خواندہ ۔۔۔ ضع عمودا فی المثلث قائما بالنقطتین

گفت من در انتظار ساعتم معذور دار ۔۔۔ شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین

از طبیبے ہم دواے خواستم نادیدہ گفت ۔۔۔ از برود تہاے تو پیداست ضعف کلیتین

ساخت زر عونی زخولنجان و جوز و زنجبیل ۔۔۔ تو دری و دار فلفل سعد قسط و ہمنین

گفت زنے اینہا نمی آید بکار از من شنو ۔۔۔ چارہ ات فصد و حجامت و کی صد غلتین

حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب ۔۔۔ ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم لورتین

دخلہا در موشگافی کار ملا زادہ است ۔۔۔ تو بحث اللفظ و اغلظ گشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے ۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں ۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی ۔

شیخ در خواب دید شیطاں را ۔۔۔ رہزن دین و دزد ایماں را

از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت ۔۔۔ آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت

بملامت عتاب پیش گرفت ۔۔۔ بر سرش زد بمے و ریش گرفت

کہ چہا میکنی تو اے مردود ۔۔۔ شدہ از درگہ خدا مطرود

ہم دیگر چو شیخ برد بکار ۔۔۔ شد ازاں ضرب دست خود بیدار

چوں ترش زخواب شیر بجست ۔۔۔ دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جنمیں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است العدو رحماں خدائے — مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است غفار آمرزگار — ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مراۃ زن زوج جفت — جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک بادشاہ جند لشکر بود — براں ضحک و خندہ بریں قاہ قاہ

چیست عنقا ر دپیہ کبریت احمر اشرفی — کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بو الحسن
فقر و فاقہ علیہ و عسرت صبوری انتظار — انچہ باشد نوکراں بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لف و نشر — دانہ کاہ دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغلیظ آبے کہ درین لشکر است — الاجل حکم طبیباں المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش — سہو سیبہ لہو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر گز نگفت باشد گفتنی — کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و موتمن
فلفسی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال — در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
با و لا و ان و لن چوں لم حروف نافی اند — میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با و الی احتی و فی جر میکنند — لیک از توقیع کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند — ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے — چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری — کہ معنی ہم ندارد ایں زباں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں ‌ ‌ ‌ ز شمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے
طبیب از علم طب دریا دمیدارد ہمیں معنی ‌ ‌ ‌ نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے
منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل ‌ ‌ ‌ ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے
و بس عطار مشتاق است قوت لایموتی را ‌ ‌ ‌ بچشمش آش و ناں آید چو بنویسند اشنانے
نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را ‌ ‌ ‌ کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے
چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب ‌ ‌ ‌ ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے
محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر ‌ ‌ ‌ برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے
ز حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب ‌ ‌ ‌ نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے
وریں لشکر بہ انم یار دم با خویش می سنجد ‌ ‌ ‌ نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے
ز گھڑیالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا ‌ ‌ ‌ بگفت احوال گرایں است پہرے ساعتے آنے
صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم ‌ ‌ ‌ چہ شد گفتند دریں خانہ دارد گشتہ مہمانے
ز جائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ ‌ ‌ ‌ کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آردا بنلانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے یغمت خان عالی نے سنہ ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میرو میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارف انیم کھاتا ہے

عاجز - کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر - اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامے تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگادیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلاکر مشاعرہ بھی کرتے تھے - ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے - چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے - اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے - ایک شعر نمونۃً ظرافت مل سکا۔

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل　　شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی - قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد - ظریف - شاعر - ادیب بلکہ مورخ - نظام الدین عبیداللہ نام تھا - عبید زاکانی کے نام مشہور تھے - شاہ ابواسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی - اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی - ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے - چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا - اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی - اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا - اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی - جو ایک نعت کے طریقہ پر تھی - اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پرآشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کردیئے ہیں - چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں "

العالم - بیدولت + الجاہل - دولت یار + الجواد - درویش + الخسیس مالدار + النامراد - طالب علم + المحتسب - دوزخی + الشاعر - طامع خود پسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم ۔ وہ ہوشیار جو مستیوں کی مجلس میں جا بیٹھے +
القلتبان ۔ سسر + البکارت ۔ اسم با مسمیٰ + الحلق ۔ دستگیر مفلساں + الاشرف ۔
چور + الکلب الاکبر ۔ وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العسس ۔ جو رات کو ڈاکہ ڈالے
اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی ۔ جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل ۔
حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت ۔ بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب ۔ تقریر کرنیوالا
گدھا + الواعظ ۔ اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم ۔ خوشامدی +
الطبیب ۔ جلاد + المنجم ۔ کذاب + الملک الموت ۔ ساقی ریش دار + الہادم اللذات
ماہ رمضان + الذوالقرنین ۔ دو جوروں کا شوہر + بدبخت ۔ بڈھی عورت کا جوان
شوہر + الدیوث ۔ جوان عورت کا بڈھا شوہر + اللذات الجنب ۔ ہمسایہ + الریش ۔
غریبوں کی دستاویز + الشیخ ۔ ابلیس + صوفی ۔ دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل +
الحاجی ۔ کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + الیباکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +
الہیچ دپوچ ۔ شریفوں کا وجود + البیمغز ۔ شرفا کے آداب و تہذیب ۔ الغرور و
الحماقت ۔ شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال
بازار کا مستند چور + الشراب ۔ بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ ۔ صوفیوں کو
حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل ۔ شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا +
النوجوان ۔ بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی ۔ صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب
آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف ۔ صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم ۔ طلاق ثلاثہ +
الخانم ۔ بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم ۔ معدودے چند عاشقوں کی چہیتی +
الپاکباز ۔ ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت ۔

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے ۔ مذاق کے پیرایہ اور ظرافت
کے پردہ میں ۔ قوم کی بگڑی ہوئی حالت ۔ مظلومی اور بد چلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملادو پیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ انکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرار اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم ۔۔۔ کاندر طلب راتب بہ ہر روزہ بمانی

رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز ۔۔۔ تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن ۔۔۔ تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من

خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن ۔۔۔ کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابو اسحٰق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبہ بیوفاست | ترا از چنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ | خدلے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی وہجا گو عبید زاکانی | مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین روستازاوست | ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جارہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوے تھے۔ نوکر چاکر ادھر اُدھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دہ ادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک واحتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سُن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سُناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم وبادہ پرست | درخرابات مغاں عاشق ومست
می کشندم چو سبو دوش بدوش | می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ مین نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ بھلا اسنے

شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یونہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہوکر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بہ عیش خوش دل و من مبتلائے قرض
ہر کس بہ عیش شغلے و من در بلائے قرض

قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم
آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض

در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض
در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض

عرضم چو آبروئے گدایان بباد رفت
از بسکہ خواستم نہ در ہر گدائے قرض

گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را
مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ۔ اشعار زیادہ تر فواحشات تک پہونچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیک چوں تو پرداختہ ایم
با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم

او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر
او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہوگی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اودھ پنچا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعائے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بسکھوڑا پرانا پختہ ڈھیلا ڈھالا قوال ہاتھ میں سنہری سہاگی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستار لئے معہ اک بظاہر مرد طرحدار کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی۔ تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال و زن چھبیلہ نے یوں الاپنے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزل یہ

شرافت تو ہے گو ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگادے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابرو و بینی میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنیئے — نہ پابند شوہر ہو زنہار بیوی

کہا ایک ڈھیا سے بیگم نے ہنسکر
شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی

یقیں کرکے ہے لائق فقط اسکی عصمت
گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی

طرحدار غیروں کی تعریف جب ہے
نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی

مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے
جواری جوے میں گئے ہار بیوی

اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو بیدل
تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی

کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو
بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی

خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے
میں اس پار شوہر تو اس پار بیوی

کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر
رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی

نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو
نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی

ادہر تھک کے کاموں کو کیوں ہارتے ہیں
اُدھر جام پی کر ہو سرشار بیوی

خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز
خبردار بیوی خبردار بیوی

میں عاشق ہوں سو جان سے تیری
ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی

نہ اب دانت کاٹو نہ اب رو لبس بیا
ہے دُکھتا بہت ہی تن زار بیوی

تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے
ترے منھ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دار السلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے۔ جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ تو اُن کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آرہے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو یہ ضلع باندا چلے گئے۔ اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی۔

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے - اور شاعری کا شوق ہوا - منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے - چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے - تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے - عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا - مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مرادآباد کے مریدوں میں تھے - اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے - ہجوگوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں - نازک خیالیاں - خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے - آخر وقت تک شعرگوئی کا سلسلہ جاری رہا - اور ۱۷؍ ۱۹۱۷ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے -

میں بند قبا کو کمربند سمجھا	عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دو رنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں	موچھیں سفید ہوگئیں .... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں -

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں	عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے	خشک روٹی و بن بگجاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری	دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو	چارپائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا	پانی پت سے گیا ہے نینی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے	مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں	دونوں تلووں کی اڑگئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو	بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر — مونچھ داڑھی ہے صورت اشکال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی — تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے — دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بند کی میں ہے سکونت کا — اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں — بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ انکو اوس — ہاں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں — اڑکے چھپر پہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر — ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسینیٹر سے کچھ صدمہ ہو چکا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسینیٹر ہے قوم کا حجام — نائیوں سے کراتا ہے ......
مار سے جوتوں کے ہو گیا گنجا — جھڑ گئے سر کے موے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل — فرقۂ بدمعاش کا ہے امام
آکے بند کی میں بنگیا ہے شریف — باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو — اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی — جسپہ عاشق ہوئے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں — تو بھی چلنے لگا قدم ستہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر — کرتا ہے اس سے روز و شب بدکام

اگر دعویٰ ہے وکسی نیٹری کا — ہمارے آگے آئے ...... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر جھڑ گئے بال — یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ　　　وہ کھانے والا ہے روٹی سڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب ۔ میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیواں پرستی جان من ۔ من اسپ واشتر نیستم　　　پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز ۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم　　　بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی　　　برو بابا سشتر دیدی ندیدی

عسس ۔ بدرالدین نام تھا ۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے ۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسیر آپ کی ہئیت کذائی اور کبھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے ۔ بدقسمتی سے شعر وشاعری کا بھی ذوق وشوق تھا ۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے ۔ نر ۔ مادہ ۔ استادہ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے ۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر شستے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے ادو گھتے چلا تھا کیا یہ جھگڑا انکو　　کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا رات کو

عشاق۔ ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن یار کا　　آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا اِن تج حواؤنیں　　ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانو نیں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل بھی　　موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہی کانو نیں
حسیں بھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش ہوتے ہیں　　یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانو نیں

عصمت۔ تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منھ ہزار کے　　بیٹھے گی کب بھر وسے پہ وہ ایک یار کے
بی تم نے کیوں کنوار پنے میں چبائے پان　　موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے　　کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نیتجہ اے بوا اچھا نہیں دو بکی صحبت کا　　کھلے گا نو مہینے بعد گل اس عیش و عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما
مگر کچھ پاس ہے مجھکو بڑے بوڑہونکی عزت کا

نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے
میں ڈرتی ہوں لو ابھر سامنا ہوگا قیامت کا

تری خاطر میں گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ
کسی نے آجتک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا - عطاء اللہ نام تھا عطا تخلص تھا - عالمگیر کے زمانے میں خوش وخرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے - دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے - اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے - اور تمام وضع قطع وہی تھی - ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹنکا ہوا - نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں - کرتے کا دامن بہت نیچا او سپر بیل لگی ہوئی - ڈاڑھی چڑھی ہوئی - موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال - انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا - میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی - نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کردیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے - اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا -

ع بسترم خاک وخشت بالین است

دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا - بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے - اسیر شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی - کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا - بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است - بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا - ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے - میر تقی میر - اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے ، نمونۂ کلام یہ ہے -

اے در نبرد حسن تو کشتہ بہ چار چشم
زیر فردہ نہفتہ چو آہو بہ چار چشم

بر فلک شب نمی طپد انجم
دل رستم ز سہم می دھڑکد

دست و پا میزند عدو در رن   ہمچو بیڈری کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوی خراب   بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب   کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں ہے انقلاب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہوگیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں   غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اسبات کا افسوس کیا   تم ہی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرداز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے   داڑھی کی گھاس پھوس کو لو کا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وہسکی اڑائیے   القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے   مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب جوتیاں جوڑیے   ہونٹوں کی بل سے کھائیے دانتوں کو توڑیے
پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈیے

جدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام
گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو گھوڑے ہو سلام
اس منھ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیے

عینک سے کام لیجیۓ آنکھوں کو پھوڑیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا۔ منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے۔ ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ آج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے۔

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو
کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو
جمع کر کیا اجاڑ ڈالو گے

علی - قلچماق - اوباشِ اصفہان کا سرِآوردہ شخص تھا۔ اسی مذاق کے شعر کہتا تھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تعلیم بچہ بر وہیت گر ہوس بود
برخیز و سر بیاے علیِ قلچماق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا۔ کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تپ سے حال　　شمع سی ہمنے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت ایک یاد　　شہہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد
بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد　　گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد
درسرشت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو مے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے　　کہا یہ رندوں سے لیجے سلام شیشہ کا
بندہ کی طلب ہووے تو سرکار میں آوے　　خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک ۔ افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا ۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بر خیالات) لکھے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی ۔ جو مرزا غالب کی غزل پر لکھی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر زور عب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصد اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا دار بند ہو گئی ہو گی اور ع تراکشیدہ دولت از قلم کشید خدا ۔ والا معاملہ پیش آیا ہو گا ۔ بہر صورت غزل یہ ہے ۔

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا
کسوت شمعوں کا خ غیرت فانوس تھا

نار آدر شموس غرفش ناقوس تھا
لایح لامع لعوق زاہد سالوس تھا

ژندر دو ثیغ ژیغ آسودہ ناموس تھا
زورق رو ما ہلاک تختہ کابوس تھا

ضبع لذاغ ایراد خلاغ غنت ربود
قسوت قرطاس قسطاس قاموس تھا

قلقل صفولے ترح کرد بیال
محبط مخروط کعب شمسہ قابوس تھا

فرط نخاس گوس جلبہ نفاس جوع
قلع زنگار قسط قصر کیگاوس تھا

شحنہ جوع البقر حیم مناک قعر صفر
صفرہ نث نفوس نیر نادس تھا

نخلع کل غ خشن ان زل کیف الیبوس
یسر مس ملین قطرب جاسوس تھا

صفرت نقرس قاع خلط فاق لیف خد
مجس قطبی فصال نفخ بطلیموس تھا

حرقت محروق قسطاس غزنی حادبرد
شیون شیخ خل گو زم گنجس تھا

سویت نارسہ ہو دت فلسطین مستقیم
سو سمار سو دسناب طار محبوس تھا

سند باد لوس سنجاب سنوات رقود
سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا

لخت لحن نگیا قرمز ہنجا روف
قصہ شر تی خمار رغبت طادس تھا

لف ونشر حریہ شیادخناس مخیل | نیرفے بازو مکاڈ وجنگ زار روس تھا
قاقم ارجلع تھا قرطاب نشف انعتاس | طارم فقدان لسبج جنو شمس بوس تھا
طمطراق نسر طائر قدغن بنت العنب | فیلسوف منع شیوع شعشہ معکوس تھا
صنعف شرح طاب طاب صغینۃ الحذر | حف لغن عتق نوج حسرت مایوس تھا

غٹ غول ۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد | وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوشِ تمکنت اللہ اکبر | کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس نو ہے بی شیریں کی برہیں | نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی بیڑی ہی پہنا لیا | آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ تھڑی یونہی پھانک کے سوتے میاں ہم | کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں
کون سی بات پر لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے | بھائی مجنوں سے تو میں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں تجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق غٹ غول | کچھ بھلا لیل بھی نہیں میر کی ٹوٹا بھی نہیں

دنیا کے نظارۂ حسرت کی بدلجائے | نیفہ سے اگر ان کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

ای مشفقیکہ چوں بتو پرداختہ ایم — با اشتر خود ترا قرین ساختہ ایم
و گوز ہمیزند تو میگوئی شعر — او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا۔ مولوی عبدالوحید نام ہے۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریبًا ساٹھ پینسٹھ برس کی ہو گی۔ سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا — مقابل لوٹ کے ہرگز سلیسبری ہو نہیں سکتا
ئہ درو اچھا نہ دو اچھا نہ دو لکاٹ کرو ہو — مرے ٹیچو کو کیا ٹکر ایلسر ہو نہیں سکتا

فدا۔ سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا　　اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

فدائے سخن - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابو الکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دہڑلے سے　　شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو　　کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے　　کل ملے تھے جو اک بلاّے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو　　لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بدہیاں بیچھائی جائیں　　ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی اُلجھتی ہیں　　ایک عاشق مزاج جھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ　　آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد - تخلص مولوی وحیدالدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دربھنگہ ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہوئے کبھی　　عمر بھر بندہ تو نامحرم رہا
سطح سینہ پہ ترے اے بتِ نوخیز کیا　　اُبھرا اُبھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

وہاں چھاتی ہے گدرائی ہیو کیونکر یہاں گھٹکا　　　درخت بارور میں باندھتا ہی باغباں کھٹکا

فصّاد - نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ " نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"۔

مے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا　　　بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علیخاں نام تھا فغان تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن گوگھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیے۔ انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو
سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا۔ تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے
اشرفی خانم کہو نگی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی ۔ حبیب نام تھا ۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے ۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا ۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی ۔ کلام میں جوش روانی بدرجہٗ اَتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے ۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا ۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا ۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں ۔ بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں ۔

پیر کے لال سحرگاہ بطفل الکن	می شنیدم کہ بدیں نوع ہمی اند سخن
کاے ز زلفت صصصبم ششششام تاریک	وائے ز چہرت ششششامم صصصبح روشن
تتتتر ماکیم واز ششششہد لبت	صصصبر وتتتابم رررفت از تتتن
طفل گفتا ممن را تقلید مکن	گگگم سوز برم ے گگگمتر از زن
می خواہی ممشتے بہ بکلت بزنم	کہ بگفتند ممغزت ممیان دو دہنا

پیر گفتا دو واللہ مم معلوم است ایں | گگز ادم من بیچارہ نادر الکن
وہ ہفتا دو وہ ہشتا دو سلسلہ لست فنیدوں | گہ گہ گنا گدال الالم بہ خلاق زمن
مم من ہم گ گ گنگم مم مثل تا ت تو | تو تو تو ہم گ گ گنگی مم مثل مم من

قایم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا ۔ بہر حال چاند پور مدینہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوے ۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے ۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی ۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی ۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی ۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا ۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے ۔ مگر وہ مفقود ہے ۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاند پوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور اُن کی استادی کو مانتے ہیں ۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا ۔ اُن کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں ۔ ورنہ اُن کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے ۔

کیا بشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم
بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ سمجھے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے، جو دنیا میں
میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہو
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہان مجھکو
پتنگ تبتنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو
قایم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نباہنے اور اسم بامسمی ہونے ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی
جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھلا آتا ہوں
کس نگوڑی کلموہی نے مذعادی تھی آسے
شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اب ہانہ پر بوا
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں گھر کی مرد املتا نہیں
بیٹھکر ٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا
مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم
بیسوں ناخون جلا کر جو کھلائے کوئی
ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور
کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں بوا
اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے
اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں
مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو بڑھا دوں کسیطرح
قرق اک ہا ئی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

دو روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں جس پہ ہے | بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
بیزار ہے مری جو مرے گھر نہ آئے وہ | طوطے چشم ہیں مرد و پچھتا کے کیا کروں

قُقنُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقمل قطلان وقلام قاطر قاد | تقفیل قام قلاعد قروم قال قیم
قریم قوع قرائم قرعقرم قرقوض | مقعسموق قریقم قریشم قالیم
مقور قور چہ قسند ریج قاقل تیق | قردق قامرق قاقلاں قوغ قمیم
لقوق مقمقۂ ماقلاں موق مقاق | مقیر مقاسہ مقمساق ما قلقیم
قمام قنقنۂ قندشین قو قل قیز | جقوش قفت قلاقوش قعقش جقنیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱۔ قمر ۲۔ جان صاحب۔ ۳۔ ہاتف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا | وہ آج مارتے ہیں تیتا الم کسم

لنڈن سے ہو کے ہند میں جب آنے مانگتا
ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ
ہم دیسی حقّہ دیکھ لیا گسہ کر لیا
کھانے کا کپڑا ڈالنا نیچے نہیں پسند
مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے
گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے
مثلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں
مسٹر فلپ جو آتا تو کھُش ہوتا ہم بہت
ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں پھجول
کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کھراب
جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو
سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم
پیتا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوکوف لوگ
ایک جگہ یہ مقطع ہے
ویل ہاف صاحب بولو لڈیا کھوب یہ گجل

ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا
یو فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا
کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا
صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگتا
ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگتا
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فٹ جانے مانگتا
جب باپ ملنے آے تو ہر مانے مانگتا
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا
جب دیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگتا

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سویت نہانی　　کہ غیر از سار بانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں　　کسے داند کہ اشتر میچر اند

کافر ٹکیہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکیہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکیہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی
زاہد عابد سے دور چھٹکی چھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر
یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گر بنانش دست برد
پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ بُرد زود دستہائے پدر
بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آمیرے تو اے ماہ جبیں
تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں
ہنکے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں
میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور
میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا روبا بہت لبوں کوئی شاہد
میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا　　چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا　　لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے　　جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جاکر　　آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں　　اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا　　یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ　　سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا　　تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر　　دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پر کھا مری بات کو وہ چالاک　　معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر　　بھیجا ہے تجھے آج بے حیا نے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ　　جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل　　تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ تیج کی باتیں من سے کالے　　کیوں لہر میں آے ہو دولنے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جاے اور اس سے تنغض کی بجاے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر۔عرف محمود۔اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی　　ایک کجی سے خبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلادے جلد اک جام شراب | کیوں خبر لینا بخوبی ہی مجھے حساد کی
گدڑیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا | پائجامہ کی وضع تم نے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو | چھوڑ دینا اب روش اس لغو بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا انیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور میر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے | پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح | موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن | کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز | ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا | یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے وہ کھٹمل تھے کہ دل کے ٹکڑے | جو تمھارے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدہ وصل کبھی یار کا پورا نہوا
روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ
یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روٹے کیوں
تم بھی چومو یہ گال ہے میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر
اے میاں اے یہ مال ہے میرا
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری
پر یہ اک شیرمال ہے میرا
دیکھ پر دیں کو وہ یہ کہتے ہیں
منھ کا تھوکا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا
اک رقیب روسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا
کون سا مینے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے
وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش
کوئی بتلاتا ہے الو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل
کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف
کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر
بات اتنی ہے کہ ہو سو..... کے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھئے
خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی
وصل کی رات ہے یا فتح مہمات کی رات
لیں بلائیں کبھی سر کی تو کبھی قدمونکی
لیلۃ الوصل بنی رد بلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ / کہ ستاتا ہی ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آنے گھونگھٹ / بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ چٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق / یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر / کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج / نام معشوق کا رکھا ہے میاں پرجاپٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا / ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی / پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق / کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج / بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہے جواب انکی دریدہ دہنی کا / کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر / لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چڑھے آتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح / بات کرنا ہی کرو دور سے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھوں / بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر / پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں / کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہے دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا / جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں / جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شب وصل وہ شرمیلی ادا سے
لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کشتینز ہمکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھجائے ہتے کوئی سیمبر
گئے مسٹر کشتینز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی
نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشتینز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن
مگر کمان تک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اُسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلی بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے — باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً — اُسنے جب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے — میر کمشنر مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی — پھر لیچلا ہے دل اسی بیماں شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی — کچھ اس وطن کے پاس ہے کچھ اس لہن کے پاس
کمشنر اسکی بے دہنی پر نہ جا بیٹو — گز بھر کی اک زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کمشنر — دی تھی اسپیچ جو کل پارک میں مینے پُر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا — تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں — ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے — آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا پٹ — اندھے سے کام ہے انھیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں — انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کمشنر کو بیٹھے تو کہا — کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مروڑے ہاتھ دشمن نے یہانتک — کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو — چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ　　اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پر جم آئے بال　　ہو گیا ختم اُن کا حُسن وجمال
رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا　　میر کشنیز چلدیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں　　بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں　　وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا　　شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی ناقدری　　جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہی نہ بچا ہے نہ انڈا ہے　　تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لیٹو کھڑے کرکے گھٹنے مرجاں　　کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو　　کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں چین سے سونے نہ دیا　　جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کردی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے　　پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کردی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر　　شیخ کی داڑھی ادپچ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی　　گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیر سے ملنے کا نتیجا دیکھا
چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے نکما کر دیا
جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بجا رہ

کمترین ۔ ان کا نام معلوم نہ ہو سکا ۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے ۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا ۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا ۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا ۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں ۔

نو خصم گن کر مشلچن نے کیئے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن دیئے
پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی
یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ ونسے را تو نہیں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر بیرا تو نہیں
دیکھو بکوان والی کی مزاخیں — خصم کے رو برو دیتی ہے شاخیں
تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے بیر ہلکو دو گے نازک بدن ہمارے

کمتن ۔ ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگ گھونٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی ۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے ۔

اے بوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موئے شمر کو بس کھیر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے - ابتدائے عمر سے شعر وشاعری کا شوق دامنگیر رہا - اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ اسیر مرحوم کو دکھائیں - اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں - اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے - ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا - اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے - عطاری کی دوکان کرتے تھے - جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا - ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا - بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور خود بھی ہوا کہ مشاعرے کیا کرتے تھے - اُردو ادب سے خاص دلچسپی تھی - اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا - ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا - مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا - جسنے تمام لذتوں سے محروم کر دیا - کچھ امراض پیدا ہوئے - اُسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا - اور تمام عیش وسرور پر پانی پھر گیا - کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو - مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں - اور زندگی گزار رہے ہیں - ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کرکے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۲-۳۳ سال ہوگی -

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اے بھائی
بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کسطرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت
وہاں نازک غضب ہے اور یہاں اک اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ
ترے قدح میں ز مزم ہے مرے کلہڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی بے پیر انہیں ملتا
وہ کیلا ڈھونڈھتا ہے اب جسے کھیر انہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا
وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیر انہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر
خدائی فوجداری کر رہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل
اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو
کبھی الّو کبھی مرغا کبھی ٹٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوے خانے میں
پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے
چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا
اڑتا ہے جب کبوتر پا موز آپ کا
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

گودن — عبد العلیم نام تھا شسنہ میں جب راقم الحروف گڈھ مکیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوئے قلندر اور چاند بھی گھٹا ئی — جس خوبرو نے دیکھا اُسنے چپت جمائی
یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں نہیں — فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی
کل بزم میں کچھ اُسنے کی اسطرح رکھائی — جب ہمکو چین آیا جب جاکے کھیر کھائی

چھاج مانگے ہے مصور بھنیں ابھی بھائی نہیں — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے — بلی کی میاؤں میاؤں کوؤں کی قاؤں قاؤں
گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں — لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا - مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں - مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے - یا ہیں - بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے - مگر ناکام رہا - بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے - بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے -

ہائے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ — آج وہ آواز چرخ چوں نہیں
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان قیبوں سے نہ مل — لے کملے کھانے کا بھی ٹھیکرا جاتا رہا

حرف گاف فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے - ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو -

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم　　　آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخصاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا - اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا - مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے - شیخصاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے - تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا - شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے - کیا آپنے

بھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اسوجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنادی جس کا ایک مصرع مشرق اور ایک مغرب کی خبر لارہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔ سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہوگئے پھر کیا تھا دوپہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہوگئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آرہی ہے اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب وغریب شاعر کے لئے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا اور یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی۔ احباب کے مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز پہردل کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
ابتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہوگئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا مکدر۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دوررویہ سلام لیتے ہوئے
چلے جارہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہوگئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھایئے اور برابر والی الاہل کیف خلقت پڑھتے جایئے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۹۱۵ء یا ۱۴ء کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سریر عرش محلل ہوگیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہوگیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہوگیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبۂ فوق الفوق حاصل ہوگیا
صفحۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہوگیا
داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہوگیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منتظر کردیا اخلاص کامل ہوگیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہوگیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو یہ نسخہ مکمل ہوگیا
رخ پر نور کی طباشیر و جبیں کا تل دانہ ہیل مہ تکمیل ہوگیا
تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہوگیا
اے رحمت عالم اب تو مکافات زرشتی عمل ہوگیا
حاصل ہو لیاقت لغت کی دبیر چرخ کو غیر ممکن ہے
یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہوگیا

حرف لام

لا علم۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپکے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں۔

کاکہی کبھو اِلا کے کارکہت چیت رہے — گاؤں ماں جائے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پڑھ ہم اسا من کا سدا دیت رہے — لینے مہتوں سے بجر بھیٹ بھی لے لیت رہے

کاہے جرجائے کریج اب نہ تماکو ہوئے کے
نیہہ کی جھونجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہی تم تے دہی ست گجودھر جانیو — ہمکا منئی نہ کھیو منئی کا ماجھر جانیو
تمکا نائب کیا آپن تم اپن گھر جانیو — اس کہیو کام نہ اب آپ کا لوکر جانیو

کھرچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم انکا
تمکا سوجھت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا

جیو تو بیاکل ہے بہت کاکہی اب اپنی کتھا — پیت تو ہوت مہاروگ ہے بس منئی کا
کھیمہ خُر پروا ماں جھودن تے سنا صاحب کا — کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیبن اینچا

دھر کے موڑے پہ چمکدار پیٹریا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کاڑھو کے کریا نکسن

کالھ دوئی کوس پہ ان کا جو سناسب مکام — جیو ماں آوا کہ کرن جائے صاحب کا سلام
چڑھ کے گھوڑے پہ بڑے ٹھاٹھ سے تھامن جو لگام — گھوڑ کس پینگ بھرس کا کہی تم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابن میں جو تھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں بڑی پال رہی کس بورت — بیٹھی احاطہ ہی اک کامنی سندر مورت
تاب اب کا کہی بس رام دیہے اس بھل صورت — ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہمکا گھورت

دھر کے کس منج دہس ہمرا کریجن جیسے
میکوا کا ہے یہی ہے ناکہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب ہی گھوڑ سے کو دن جھم سے — من ماں یہ سوچ بھوا کیسے ملن جاجم سے
ہائے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن بس دہم سے — ہوے گئیں گست تجب بوڑ گوا جیو گم سے

سیکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبرا وا
بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو ہے مرجھا آوا

ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر — دوڑے گجراج مہا پال بھون بلبھدر
گوڑ مینجس کوئی اور کوئی سنگھاوا انتر — اور کوئی یہ کہس چیت ماں آو ٹھاکر

ہم مدا کوئی جتن سے نہ جگائے جاگن
گر بڑا دا جو بہت پیٹ تلائے بھاگن

ہم تلائے جو گئن جب تو وہ چنچل بدکھاد — میکوا تے یہ کہس کا ہے رے باری ات آد
پال تے کھینچ کے پلگا تنی باہر تو بچھاد — دھرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گئن سب بھیناد

یہی پلگا پہ جب اہیں تو بجھائے بااُنکا

اُن کے پھینن کا مجا کھوب چکھے با اُن کا

ہم تلّاے سے پھرن باگ ماں ہلکا پاوا　　تب تو اوہی چھیل چھبیلی کا تنک بلواوا
پاس میٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا　　تم تو نگبیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھرہے لگی نہ کرو
میکوا کاہے کہن ہنسکے دلگی نہ کرو

دوس تو بیت گوا ہمکا ہوئین باتن بات　　جب گئے سورج لُکھے اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہم توہن اب گھر کا جات　　بولی رہ چلتے کی کچھ ہوت نہیں ہے بلیکات

اس نہ تم نہکی نہک کوؤ کا جیو جارکے جاؤ
جی کے اب کا کرینے جات ہو تو مارکے جاؤ

اُن کی آنکھن سے لگے آنس بہے جب جھر جھر　　پھر تو ہم تھا مے نہ تھما جیو کا مسوسا دو بھر
ہم کہا روؤ نہ جیو اپنا رہت ہے پھر پھر　　ہاتھ چھاتی پہ رکھو آنچ ہے نکست بھر بھر

ہو سکت اب تو ہے اُتہیرے سے جاؤ کیسے
بن کہے تمرے بھلا گوڑ اٹھاؤب کیسے

پھر تو بس رچھ گئین بیٹھ ماں مکا مارن　　اُٹھ کے ہلکا سی گئیں پالی ماں دنیا بارن
مانگ گئے ہمسے ڈنگوچے کا پچھو اچھارن　　اور اسو ئین کی مہا گاہ اٹے ہم پر ڈارن

ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو
کھرچ آپن نہ کبھو ساتھو ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج ہیاں کاہے کا آوا کرہیو　　اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کرہیو
ہم تو جانت ہیں کبھو منھ نہ دکھاوا کرہیو　　بیٹھو بس تم بھی بکو اس نچاوا کرہیو

میکوا پیڑ تلے جائے کے جو کا دیدیے
دیدی کھٹیا ترے جیرا ہیں تو اِہ کا دیدیے

میکوا پھیر کے منھ ہمری تر پھ دیکھنے لاگ
ہم کہا ہری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھ آپن تو الگ بار کے اور لاے کے آگ
جا کر ہیا میں جو کا نڈل کا ملے بھوکنے ساگ

ہم جہت انکا کوئی بات کی تکلیف نہ ہوے
ان کی دیدی ہے نہ ڈر دیدی کوئی جینہم نہ ہوے

سانجھ تو ہوے گئی اب چلے کے کریں اشنان
آگے ٹنٹا ہے یہی ہم کا بنت ہیں اوسان
آج کر من ماں تو پوری کی لکھت ہیں بھگوان
سیر آٹھ ایک بہن کا ڈھر لے تھیلا سے پسان

ہم اور توئی دی منئی بھوک ہے کم ہوئے جیسے
پن پیار کے لیے اتنی رکم ہوے بیسے

بانٹ پھر ساتھ کے منہین کا دیا ہم جیٹھا
اور کہا گاؤں ماں تم جاے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ ماں بندھولے دیہا
آپ کو بیاں پہ گئین جاے کے نہا وا دھو وا

بستر پر جو پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دو لوں جنے بیٹھ کے کھاوا بیرا

میکو اتنے میں جو کا سے کہس ہمسے پکار
آئے بھوجن کر دھا کر ہے رسوئیں تیار
ہمتو جو کا ماں گئے اور دیہا بھین کا اتار
گوڑ کا دھو کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکو اپرس وہس ساگ د پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو مرمیٹ گئی سب پٹ سے

پھر تو جو کا سے بھگن جھاڑ کے جو تر باہر
بیٹ پر پھر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ماں جا سے کے اڑاین تنی سٹا سٹ نیر
گوڑ کو پھیلاے کے پھر پوڑھ رہن پلکا پر

اوہی کہن آے کے لیٹ جب نے سوے رہی
ڑ چلو بھوڑ کر دھم بھی تنی سوی رہی

بھوڑ پاین تو گرے لاگ کے پھر سوے رہن
پھر تو اس سوئین کہ دو نیون نہ جگاے جاگن

ادی مدا ہوت بھرے جو ذرا چیت بھئن — ٹینٹ ماں ہمری روپیا رہے ٹوون لاگن

ہم کہا کا کرہو بولیں جو ہیتن ہیتسم
گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگاتن ہیتم

دس روپیہ رہیں بس ٹینٹ میں ہم کھولیا — اور کہا لو پران آج سیاد لہنگا
پھر کہا اُن تے کہ ابھو جو بلیبا تم کا — بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سن کے یو آنس تو آنکھن ماں تنک بھر آے
ہم مدا گھوڑے پہ اسوار بھئے گھر آئے

متفرقات لا اعلم

دختر کوتوال ظالم ہے — بیگنا ہوں کو ٹانگ دیتی ہے
انگوٹھی تو یوں مفت پائی نہ ہوگی — سناروں کو جب تک دکھائی نہ ہوگی
کنجڑن کی ایک چھوکری میں اسکو دیکھ چکا — وہ اسکو دیکھ بولی سرکی آتارونگی
مالن کی تھی وہ بیٹی بیچے تھی ساگ بیٹھی — سویا تھا پاس اسکے جو چاہتی سو لیتی
دھوبن کی دوستی میں دل گھاٹ گھاٹ ہے — لہنگے کو جانتا ہوں کہ جمنا کا پاٹ ہے
دم دیکھے دم کولے لیا اسلام کو دیکھے — دو آنہ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے
ہ ہ ہجر میں تمھارے پہ پہ پھٹ گیا کلیجہ — م م مدتیں گزر گئیں پہ پہ پاس تم نہ آے
س س سرو کے پہ پہ پیڑ پر ق ق قمریاں ق ق قوں کریں
پہ پہ بادشہ کے مزار پر ر ر رنڈیاں ر ر روں کریں

....

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمہیں نہیں بتا — تمھارے باپ کی ہے جان بتلا دیری
یہ دختر رز حرامزادی مردار — مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسہ ایک مکا ایک جوتہ ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اے موئے میاں وصف تری موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پر قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پر رکھ کے مرا چاک لے چلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھکر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں مر گئیں بھڑووں کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھل گئیں روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری

کہ از بوے دلاویز تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھالے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے

ابتو اے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے مجھکو شتابی آ ذرا سینے تو لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا — جب سے کہ کی ہے کندی تڑپے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مٹکا کے چشم و ابرو — دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لٹو بالوٹا

گڑرن کی چھوکری سے میں نے کہا نہ بکری — کری کیا محبت یہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پینا ہوا

ت ت تم تو سنگدل ہو ص ص صبر کیسے آئے — ح ح چ چاہ میں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں ایک ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

سو لبوں سے گر دیتے ہیں تو دو سو دیجئے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

دھمکا کے بوسہ لیجے رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباو سے

سمجھکر طالب بوسہ بگڑ کر بولے درباں سے — یہ کیوں آتا ہے کہدو کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستانِ یار لیتے ہیں — وہ دودھ پر کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کہ انکی جالی کی محرم پسند ہے — سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اُس بتِ مغرور کے — اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ کے انڈے نور کے

قدرت خدا کی دیکھئے پستانِ یار میں — پیوند فالسے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر — کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں

جوبن ترا بنا رہے انگیا میں اسطرح — جسطرح اپنی چونچ کے اندر بیا ہے

رخِ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال — یہ بیڈھب دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبراؤ ابھی مرغِ سحر سے — چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سنوں کی شربتِ دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن میں

ہے شبِ وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شبِ وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو صورت کسی متوالی کی — گو مسلماں ہوں پہ کہدیتا ہوں جے کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑ و اب میرا — ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کر دایا اب تو مت کروا — مجھکو رسوا بہ کوچہ و بازار

حکم ہو وے تو آج ماروں میں — کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں — تیرے قدموں سے مثلِ رنگِ حنا

خوب پکڑا حضور نے سرِ بزم — غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں نہ جھجکتے ہو جب میں ڈالتا ہوں — ہاتھ گردن میں پیار سے آکر

جی میں آتا ہے کہ رکھدوں آپکے — عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہوئی خالی نہ جانے پائے بھائی — میرٹھ کا ہے یہ حال جم رہی ہے کائی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند
بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھنسار ہوئی کی جو بھیا ہمرے سُن پائن
بلوا بھیج کے نوّا کے ہاتھن ہمکا بلوائن

بڑی خاطر سے دست ہمرا کپڑ کے لیگئے بھیتر
بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن

گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آو
دسالوری پان بھی منگوائے کے بھوجی سے لگوائن

کچوری پوری - ربڑی مال موہٹا اور برفی تکونے
وہ بھوجی لوگ ناتھن سے دہیں جکوائے منگوائن

گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر
ٹرکیا اور پیٹرپا گھر میں اپنے خوب پکوائن

غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھئی ہمری
ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن

بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گاؤں ہاری بلوائن
ہمارے قرب ماں بھٹلائے کے گانا خوب سنوائن

عبیر اور بکا سب کھار ہا بھر بھر کے تھریا میں
ملن بھی ہمرے گلوا ماں اور اپنو خوب ملوائن

منگائس دار دمہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل
بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ ہیں پلوائن

دہت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی
کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی

جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی
ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی

گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو علیل
یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی

سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی
تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی

بات کرتے ہی وہ چندیا پہ چپت دیتا ہے
ایسے معشوق بداطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی
اُٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مُردہ نہ بستر پر

لاغر ہوں ہوا اتنا کہ نکلجا سے جو چیونٹی
اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

....

جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر — ہنسکے فرماتا ہے یو می ٹیک ہیر
غریبوں پہ مت ظلم کر اے ڈیر — میں قربان جاؤں اگر کم ہیر
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں — یک و نیم میں بیٹھے پیوت ہیں غنچا
(ڈکوڑہی)
خسن کے سبب بند طاوسنی شد — کہ انجمن میں بہوت ہیں پانی کے پیلا کلی
(ڈموری)
رسوئن میں پکت ہیں کھانے بدیق — بکرین کے قلیا مچھر بن کے شروا
(دانگر در)
للن کے ذرا بجنت عالن تو دیکھو — خسر فوت شد اور حسر یا بقا یا

لاابالی مرزا لاابالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا اُلہی ابر سے کیونکر پھسل پڑا — کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا — اس شوخ سیمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکوں پہ دیکھئے تو گدھا ہی کہیں پھنسا — چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تتا نہیں فرا — ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی رہا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی — بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی — چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب سن سنا کے کیچ میں مرغا اڑ رہا — ٹڈی زمیں پہ آرہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لت پتا گئی پڑا اڑ اٹک رہا — چلائی چیل پانی میں کوا اٹک رہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آرہا — صاحب بھی آتے جاتے میں کھٹ پٹ سے آرہا
الجھا جولاہا پان میں دو جھٹ سے آرہا — کوئی تو چت گرا کوئی کروٹ سے آرہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں — پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں — سالے سلج کی گتھ سی گئی لات لات میں
دولھا دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آرہی — بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آرہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آرہی — کسبی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آرہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا — ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بدمستیوں میں ساجوشش شوق شباب تھا — پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو غیر وہ مجھ پر پھسل پڑا

پہلے تو ٹرکے ساقی پرفن نے ٹانگ لی — بھاگا جو ادھر اکے تو رہزن نے ٹانگ لی
کیا رند سیگسار کی جوبن نے ٹانگ لی — پھر ہوش اور حواس کی ان بن نے ٹانگ لی
کل شیخ میکدے میں بکر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے — چل پھر کیسی دھوش کی ہے کیسی ہوم ہے
حلوا پراٹھا پکا ہوا بالعموم ہے — جاری ہر اک سمت اداے رسوم ہے
اس کھلبلی میں پڑھتے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج چھچھوندر بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے

نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دنیا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھکر سناتی باد ہوائی ہے یہ بڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے بے حدود شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے

پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر بڑی بڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا

گر گیا لندن کو تو وہ معدن تہذیب ہے — سمجھو یوں برج شرف میں دین کا کوکب گیا

جا رہے جدت کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حرج — اکا دکا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا

ساغر مے نقد کوثر لیڈیاں ہیں نقد حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی لب سے گر مل لب گیا

ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوت سے دین سری داب گیا

کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر ہے پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا

کوٹ پتلوں سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا

آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوش آمد خوب شد — گر تعصب چل دیا ادنیٰ گیا انسب گیا

بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل — یہ بھی اچھا جوش ہی گو جوش مذہب بجھ گیا

گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا

داڑھیاں منڈتی ہیں تو اس میں بھی ہے اک فائدہ — شانہ وکی قلب سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش وپس
تھا کڈھب ڈھیلوں کا ڈھب اچھا ہوا ڈھب آ گیا

اب کہئے تو کیا بنیں یہ باسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان نہ بنیں صاحب
حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب کھتر سید
مسٹر نہ بنے گا اُن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چمار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے
رشیا پر منھ آنے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منھ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
نمرود کے پشہ کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منھ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافر۔ اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے
بال صیاد کٹ گئے دھر سے
سانجھے تار و پود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما تر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں مناؤں میں
میری جوتی سے جوتی کے گھر سے
بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سُر سے
مر گیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پُر سے

بزم رندان میں حضرت واعظ
کیا ہی بیٹھے ہیں دبکے ڈرتے
لاکھ پٹی پڑھائے غیر انھیں
ہم لگا لائیں گے کسی گر سے
واہ رے ہم کہ عین بارش میں
وہ چلے آئیں پا برہنہ گھر سے

ایک تو ہم مزاج کے کھرے
اُسپہ غصہ مرے پہ سو دُرّے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو
رو رہے تو ہو بہت غرّے
دعویٰ پارسائی اور یہ منھ
واہ شاباش مرحبا ہُرّے
کیا انوکھی غزل لکھی لاغر
شاعری میں بھی لگ گئے کھرے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی
سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے
نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ
نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
ندارد جہاں ہم چو من دیگرے
بفہم اشتریم و بہ دانش خرے
سنانِ الف را چو شر در کشم
تلا را بہ دو زم مٹر بر کشم
بگیرم چو در جنگ یک گرز داؤ
گریزاں شود مولوی کھانڈے راؤ
بگلزارِ معنی چو من بلبلم
چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے
کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا کھا لینے میں شیخ جی نے قند لب اسکا
یہ حال لب بھی پارہ لے رب السوس ہیں گویا
مگر خاصی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی ہے ڈیڑھ ڈیڑھ انچی
مگر ہاں شاعروں کو یہ تو نامحسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی یہ اعجاز میں اکسیر ہیں بالکل
اطبا اشتہاری سب جالینوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں — کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا
یہ لو یا دش بخیر آ ہی گئے وہ حضرت لافر — یہی بے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ — معدن لعل لب یار ہیں قہ قہ قہ قہ
بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ — خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ قہ
کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل — پھول ہنستے ہیں ترے ہار میں قہ قہ قہ قہ
ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم — ہی ہی ہا کی وہ مرے دو چار میں قہ قہ قہ
بھولکر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا — گو نجتی گنبدِ دوار میں قہ قہ قہ قہ
شوق مے نوشی میں سارندوں کی وہ ہا ہا ہو ہو — بط مے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ
قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں — قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ
قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو — پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ
فرط اندوہ میں بیتاب پڑی لوٹتی ہے — کسنے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ
لیٹتے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ — باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ
گدگدا دیتا ہے رہ رہ کے یہ مضراب ستار — دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ
کھیلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی — کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ

حرف میم

ماجد - ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فحش گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں نے صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں - جو الفاظ غیر مہذب ہیں اون پر نقطہ دیدیئے جائیں گے -

لطف دیتا ہے مرا وصل میں شاداں ہونا | اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا
لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں بہم وصل کی شب | چاہیئے تمکو مرے ساتھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہی کمسن بھی ہی نادان بھی ہی یار | آنکا ... کی درازی سے پشیماں ہونا
خوف ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صحرا میں | چاہیئے ... کے پھاٹک پہ نگہباں ہونا
وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ | کسی ... کا کسی ... میں مہماں ہونا
غیر نے تجھ سے شب وصل اکڑنا کیا تھا | ایسے موقع پہ ضروری ہے اکڑ کے خاں ہونا
کہدے شایستہ غزل ایسی کوئی تب میں جانوں | ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مُبین - حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات میں اُن کے کلام کو حد ظرافت میں لے آتی تھی - نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے - نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا -

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا | ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرد - محمد پناہ نام تھا - دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے - اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا - اور اس پر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوے کبھی نہ جھجکتا تھا - خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے الٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو -

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر بٹھا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بھاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہوکر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے - ایک دیوان چھپوایا ہے - جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے - اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعوی صحیح ہو یا نہ ہو - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے - ان کے دیوان کو اُن اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے - محسن اور عنقا دو تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے -

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا
راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا پھریگا پھوڑا وہ جھٹکا جھٹکا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پر بگاڑ گھر کا
کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا

ہے ساس کا ہیکو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح سوت ہو وہ
نہیں ہوئی ہوتی فوت ہے وہ بگاڑ دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بھڑوا عدم آباد کا
حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس موئی ناشاد کا

کسبی کے گھر سے لگا کر بیٹھتے ہو پان تم
واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا

نند کی چالو نے چلکر آگئی ہیں چال میں یا
تھا سبب بیگم بوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار و نعیم لوا
گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے جو تڑا اٹھ لے چلیے
خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جوے کی لت بھی لگادی مرے نواب کو اوئی
زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تھے سوت کے گھر میں دولھا
دیکھئے اب کے کہاں ہو بوا ساون انکا

دولھا بھائی پہ موئی ہو گئی ہو عاشق
گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندر بھان کا

ہوئے ڈھول خالی شیخ جی تم
خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھرونڈے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے
مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب
لگا رہا بوا کھٹکا موی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کپڑا کیسا
چھوڑو دیگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منھ نوج ہوا ایسا کسی بندی کو نصیب
داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے
دولھا بھائی سے مجھے اے بوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو ہے ہی باجی
اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سرزمیں پہ جلسہ ہے آسمان نصیب
گوئیاں ری ایک سا ہی یہاں اور وہاں نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر
ہو جس لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیاں
چھوٹتی ہے میاں سے کیسی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی
رہتی گوہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ
کہا باجی نے دت موئے دور ہٹ

انوا سی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا
اسیر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج

دربدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد
یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں
ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں
خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی
میری چیز ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین اوئی بوا حد ہے
کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا
قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
بھلکی دالی یہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

ردی کپڑے کو بھی ایکم بوا محتاج ہی
آ گئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھکر

کرے گا خاک موا بیو خاوند کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو اتنا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ
دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر
یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا
ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مرزا رفیع

ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا
پوپلے منھ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا جا کے رنڈیوں کو پلاؤ گے یوں شراب کبتک
کباب کھا کھا کے سوت کے تم کروگے ہمکو کباب کبتک

اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم یہ ٹالا کب تک بتاؤ گے تم
کبھی تو کمرے پہ آؤ گے تم کروگے ہمکو کباب کبتک

موا فشے میں یہ بخبر ہے ہیں پاؤں ہٹی پہ نیچے سر ہے
نہ روٹی کپڑا نہ گھر ہے نہ در ہے پھر نمود دیکھو خراب گت تک

پھر میرے سامنے وہی چھل بل کی بات ہے
رہ تو سہی لگاؤں تیرے بانکپن میں آگ

ہوئی بیخود شرابی یاد آیا
اری لینا بوا گوہر چلا دل

نہ جھوٹ بولیں گے چار میں سا ہم ہیں یہ دونوں یکتا ہزار میں ہم
ہیں برق طبلے ستار میں ہم یہ ہم ہیں آندھی پانی رباب میں ہم

چپتیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں
آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں

بوا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا
موئی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں

رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں چھیڑ کر
دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں

ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق
پھونچاؤں میں وہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دن کو ٹرایا موا مجھسے ہارا رات کو
ڈھونڈھتا پھرتا تھا ٹکے کا سہارا رات کو

بھیجا سالن گھی کا بگھرا چوری ہوئی یا الٰہی
دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو

چھوڑ کر زلف دوتا رُخ پر بوا میں سو گئی
وہ بجایا ہی کئے اپنا دوتارا رات کو

رکھا جب مرزا نے ساغر گوہری کے ہاتھ پر
پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگوا کے آئی نہ
دیکھو تو گالوں کو بوا منگوا کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ
گوئیاں ملانا ہجر زدوں کا ثواب ہے

دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا
مجھکو تو سری نگوڑی نہیں چھو آتی ہے

تربت پہ آکے بھڑوے نے ماری جو ایک لات
سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے

میرے ہی سامنے موئی کسبی سے دل لگی
بس بس نکل چکے مرے ارماں جلا ہے

مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے
بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے | وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی | نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیسے | بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی باتیں بھی اور سب کے سامنے | کچھ تو حجاب پیارے میاں رمیاں رہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے | لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے
بوا رو دیں مجھے جب پیچھے وہ | بُری ہوتی نگوڑی ماملہ ہے
بناتا ہے موا دل لگی کی باتیں | بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر۔ عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔

کہیں تم چوچلے میں بھید کچھ اُنسے نہ کہہ دینا | مری اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ گل باغ مراد مادہ تاریخ پیدائش سے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۷ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا
کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے
لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہوں کے لئے اسکیم گاندھی چل گئی
لیڈر و سرکار میں میٹھے بتھلے چل گئی

امن ہو رخصت اگر قانون شکنی کو ہیں
اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چمنی ہو ہیں

آپ کے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی
کیجیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تھا وہی جسکی نہ ہو یہ بجز وہ سوراج ہے
ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال
اک محب خاص کو میں نے جو پایا دردمند ق

میں نے انسے کہدیا یہ رنج سب بیکار ہے
خود خدا رکھتا ہے اندر سیٹ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل
کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب
آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہند پہ گاندھی
سوراج کے لینے پہ کمر آپ نے باندھی

مہوے کے شجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں
جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا
بڑی حیرت ہے ہمکو ان کے لڑکا کیوں نہیں ہوتا

زبو لینگے کبھی مرغان اسلامی یہ ککڑوں کوں
بتاؤ پنڈ بھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گر عاکی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں
ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول
ہے پولس میں کام سب موقوف چوکیدار پر

باپ کی ساری کمائی ہوگئی نذرِ بوٹ سوٹ — بھوت کالج میں چڑھا فیشن کا برخوردار پر

مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا — اڑتے ہی اڑتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا

پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری — نر سے مادہ کی عدالت میں ہے جنگ زرگری

اب تک یہ خواب دیکھتی ہیں ہوم رول کا — دشوار بیٹھنا ہے مگر اس کی چول کا

راز کھدر ہی میں کچھ سوراج کا مستور ہے — پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے

مرا سینہ بھی پالیٹکس کا اسوقت مخزن ہے — ادائیں ایسی بہارک کی ہیں اور تساں دن لس ہے

ٹھہرو ہوٹل میں یا چھوڑ دو فکر سرائے — کبھو قہوہ پیو کبھی تم چائے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہوگئی — مونچھ کس گنتی میں ہے داڑھی بھی رخصت ہوگئی

آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے — ان کو پسند پر بھی مٹی کا تیل ہے

عورتوں سے ہند میں اب دور پردہ کیجئے ق — خوب ہے ان کو کھلے بندوں چرایا کیجئے

آپکے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی — اب مدد سے عورتوں کی اسکو پورا کیجئے

آپ اور ہم سے باتیں ہیں عذر کا دخل کیا — کودتا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو بیچ میں

ساتھ غیروں کے ہیں یوں ہانی دوڑ میں آج — ساتھ کود کے اڑے جسطرح مٹھو بیچ میں

لگ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب — بیخطا ہی پس گیا بیچارہ بدھو بیچ میں

یوں عاشق ننگا دھڑنگا بزم میں ہے بیحیا — مجمع ناگہ میں بیٹھے جیسے سادھو بیچ میں

اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری — پس رہی ہے بے سبب بیچاری اردو بیچ میں

نہ سمجھیں آپ مجھکو میں حجی کا اب ہمسر ہوں — حقیقت یہ ہے میں بھی جی بجا کہنے کا خوگر ہوں

ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال — جو دیا اسلام سے پردہ نکال

ترجمہ خطبوں کا کرکے اسکو رخصت کیجئے — نہ رہے عربی زباں بھی حج کرنے کو چلی

مجنوں ۔ شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے ۔ بشن ناتھ جو محمد شاہ کے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر حانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسی اگر بمکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جو چلا ہے کل وہ قرار ٹھہرا
کہتا ہے مجھ سے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا

بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھکو چٹ سے
تو اپنے منھ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبد المجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لجا ہی ملا شوخ
کیا مجھکو بنائے گا نگوڑا وہ موا شوخ

آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے
کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ

ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی
کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ

یہ کس نے بتائی ہے چھچھوروں کی ملاقات
بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو بوا شوخ

بل سارے نکالوں گی ہیں نکلے کیطرح سے
پاپوش سے ماروں گی جو ہیتے وہ چڑھا شوخ

ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس
ہے ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ

الفت جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا
وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا - مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا - منشی نوبت رائے صاحب
کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۷ء میں اپنا
دیوان بھی شائع کیا - آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں - اگر غور کیا جائے
تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا - مگر افتاد طبیعت سے مجبور
تھے - اسی طرف متوجہ رہے - محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل
آدمی ہیں - اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہیں - خود ہی فرمایا کرتے
ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے -
ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی
تھی - اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا - عرصہ سے آلام و مصیبت
اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے
عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی - دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج
افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے - دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو -

کہتا ہے شوق ہمسے ہوائی جہاز کا ۔۔۔ بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر ۔۔۔ رہبر شوق ہے اب عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی ۔۔۔ اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

اُن سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہم پر کھلا ۔۔۔ کشور الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال ۔۔۔ ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیٹ کا
کوئی نٹ کہتا ہے اُن کو کوئی بندر اے محب ۔۔۔ شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحفِ رخسارِ زیبا کا
کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوقِ عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا
خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر
کوئی شائق نہیں گلزارِ نستعلیق و ریحاں کا
مسوں کے لب میں بھی لطفِ حیاتِ جاودانی ہے
خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آبِ حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی
منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا
پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محبؔ
آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ
بغیر اس کے محبؔ پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا
پسی جاتی ہے اولادِ آدم غم کی چکی میں
بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں
مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے
کہ اب ہمسے وفاداری کا گٹھڑا اٹھ نہیں سکتا
زباں کا اب تو دعویٰ ہر کس و ناکس کو ہے بھائی
نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبتِ لبرٹی کو
طفلِ دل کیا ہی کھل کھلا اُٹھا
وہ طمانچہ پڑا اگرائی کا
دل غریبوں کا تلملا اُٹھا
بل کیا پیش کمیٹی نے جب
اے محبؔ شیخ بلبلا اُٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا
چرخ پر اُڑ کے پہونچتا ہے غبارا اُن کا
تیغِ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا
میرے آگے نہ کرو ذکر خدارا اُن کا
طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی
ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں
کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا　　ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اورکوٹ کا زمانہ ہے　　نام صاحب نہ نورزائی کا
ڈانٹتی ہیں حسین لیڈی پپ　　کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ　　بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں　　ڈھونڈھے سے کوئی ویاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں　　کیوں نہ ہو ہمکو شوق جسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہو　　یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور مے سے ہوا شوق　　اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہو گا
کردیا بدحواس چند دن نے　　دہیان کسکو ہے وان اورپن کا
کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا　　چھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا　　سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ　　اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
بے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث　　ایک تختے پہ یہ لکھدیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مزے عیش اڑائی ہے محب　　آج ہو آپکو ترقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم ست دل ہوں اہل جرمن کیطرح　　بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داری کی ہے
بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کیطرح
چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر
ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کیطرح

یار من مشفق من یہ نہیں القاب پسند
ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری
خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز
چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف
اس کے آگے پُران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بنجاؤ
زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب
بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک
یہ نزلہ مبارک یہ سوزش مبارک
ہوا خبط شیخ و برہمن میں باہم
یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں آپ ایسے ہیں ویسے ہیں
کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیجوں میں روتے ہیں
جز اک اللہ قومی درد الفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے
کہ وہ ہیں اونٹ کسرت کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم
ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جایئے
گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے مسوں کی چھلبیٹ میں
دولت وہی جو سمے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک
جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے
ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے
تو اچھن آگئی ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ
بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب
ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس
مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی
کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب دو ہی طرح
چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول
یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

تا کجا قدر سخن بلی شاعری کے پیٹ سے
اور ہوتے ہیں تولد اب سخنور سیکڑوں

مدار کار جہاں اب سکنڈ پہ ہے
گیا وہ وقت گھڑی اور پل سے کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں
پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو چسکا پڑا ہے فوجداری کا
مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا اُن لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا
جنھیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو
نہ جاؤ بھولکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق
گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو
مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے
بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلی عزیز
عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک گلڈاک ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں
کہ سوڈا اور ہلنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے
نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

ٹرسٹ کے خیرات سے ہے قوم کی خدمتیں تو آپ
بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہے

مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے
جب تقاضا ہو تو کہدیجئے کہ نالش کیجئے

تعلیم مغربی سے بھی پھولے پھلے نہ ہم
بوئے گئے جو بیج وہ قسمت سے سڑ گئے

کھاتے نہیں پڈنگ کسی کے دباؤ سے
مجبور شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحلِ مراد
اب بیڑا پار ہونا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اضافہ کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دو موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے بیان خشکی - تقشف - پھیکاپن - بےمزگی - بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلك فضل الله الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں - آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵-۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی اور کے حوالے ہوتے ... جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مار آتا ہے ... نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا اڑ کر اے پری پیچھے ترے عاشق ... تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہمسے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے ... اکڑ کر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا ... لئے سر پر پھرا کرتا ہے ڈھا نچا چارپائی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے ... تجھکو دلدار کہیں ہم کہ پٹیربار کہیں

کیا فرق ہے بتا دو ماسٹر میں مولوی میں ... وہ شاخ ہیں قلم کی یہ ہیں برائے

جو دیکھیگا کوئی یول بانکپن سے ... پکڑ کر کھینچ ہی لونگا فنٹن سے

کھینچتا تصویر کچھ کر یہ کھکر غضب جمالی ... ہاتھ کا نپا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں ... تم تنبولی سے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بتنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل ... طپاں سوئے او چوں مچھر یا سیلم

نشستم بہ محفل بہ دو رنجستیں
کھسکتے کھسکتے بہ گور یار رسیدم

ہاتھ آیا ہے ستمگر تو بڑے گھات کے بعد
سب بتا دوں گا میں تجھکو برا کیا بات کے بعد

بوسۂ چشم طلب میں نے کیا رد و کر
ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے برسات کے بعد

بتوں کے عشق کا مجھکو پڑا ہے آجکل چسکا
حرم سے مجھکو جانے دو نہیں ہیں شیخ کے بس کا

ہم اپنی جان سے اے بت بہت بیزار بیٹھے ہیں
بھری برسات میں آ گر پس دیوار بیٹھے ہیں

پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا اپنے زبیر سے
سنا کچھ اور لے بیٹا وہ تیشہ مار بیٹھے ہیں

چھپائے منھ جرا اپنا سنو لیا آرزو دارم
تجھے جی کھو لکر لینا بجگلیا آرزو دارم

لپٹ کر مورے سینہ سے تجھے سوگند الشو رکی
ترمی میں توڑ کر دھر دوں چپلیا آرزو دارم

زنخداں سیب ہے عناب لب ہیں
بہت میٹھے ہو تم تو خوردنی ہو

کمر سے تم کا لپٹائے رہت ہے
رقیب روسیہ کی کمر دہنی ہو

بہت بگڑے بہت تنکے بہت اینٹھے بہت ارے
تماشا یہ سر محفل میں اُن کا چھیڑ کر دیدم

لٹالو یاس تم ہمکا تمھیں سوگند الشور کی
نہیں تو اینٹھ کر جاڑے میں سر کا ر مر جائت

رے میٹھے بیٹھے تمسے بیت کا سوجھی بُری کچھی
بڑا اکڑا ہمیں سایہ ہوئی گوا آزار مر جائت

تری الفت میں بھلا کون دانہ ہووے ہے
گھر میں بیٹھا رہے جو شخص سیانا ہووے ہے

بات دشمن نہیں لیتا ہے تو دیتے کیوں ہو
منہ پھٹا ہوئی ہے کوئی جیب میں دانا ہووے ہے

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے ۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے ددا دیکھو اب ہوگا بڑا شر پیدا — لو نانی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس رنڈیو پر کیوں نہیں آتا — میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں ۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ بعد چندے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور درباداری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

آتشک کے ہوئے یوں زخم بدن پر پیدا
رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا

عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے پریاں
خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں بدر پیدا

شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا
بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا

جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن شکرہ
تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں جوہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر
ہمیشہ ناقہ لیلےٰ سوار رہتا ہے

چلے ہیں وہ سوئے گنگا اشنان کے دن تھیں
اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے

شب وصال وہ ضد کرکے ہم سے کیا لینگے
یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے

ہمارا اپٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے
گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں جمگھٹا ڈروں کا ہے یہاں
انھیں کے واسطے یار و خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اے مزل ناز کا گھوڑا گدا | شوخ بولا چل بچے چل آگے سے چل

مست سرمست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملاحظ درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جاوے نہ ٹیڑھے ٹوپیوں | خانہ جنگی تمہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مشر - سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا | غیر تو دالاں میں تھے اور میں آنگن میں تھا

تھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاونگا | جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا

آج اُسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا | روٹی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا

سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں | ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا

کھا گئے یہ کہہ کے وہ گھی دیوری پاگ کی | وہ تنغجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا

ایک سی داڑھی تھی اُنکی ایکسی مونچھیں تو پھر | ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا | سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا

کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی | لڑنہ تھا جو کھٹ نہ تھا بودم نہ تھا پاگل نہ تھا

گارڈ صاحب نے برک میں کھ کے چلتا کر دیا | یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو مجنوں نے کہا — مجھکو دھوکا ہو گیا لیلی نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے یاد ہمیں شادی کی بٹر ٹی الدی — ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں — نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہی مگر سہرا — ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا
تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے — کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے — پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے — بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا
کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر — رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم وفضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زودگو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ کر فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو وفارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل - مشاعروں اور شعر وسخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوے اِدھر اُدھر چلدیئے - تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آے - یہاں اگرچہ چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا - اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پراں کا نام بھی آنے لگا - پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے - حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی - چنانچہ جہاں تک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامیں سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نچاہتے تھے - لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں - اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا - اور وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے -

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے - اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے، انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہ تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا - رنگیلے - دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل ہی بھی اُن کا گزر ہوا - کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی - شہدپن فواحش - رذالت کی چاشنی ہو - انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں سے نے مرزا

سلیماں شکوہ کو وقت بوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب ولہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت آبائی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھیں جنھوں نے شاہزادہ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کردیا غریب۔ ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن وانقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر وفاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ سلیماں شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہوگئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کردی۔ جس پر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہی چالیس ہی کے لائق
تھا مرد مسن کہیں دس بیس کے لائق

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے
ہم بھی تھے کبھی دہ و پچیس کے لائق

استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر
ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف مارودت میں انگلی
کی رشک نے جا دیدہ ہاروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جنپر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ
تھی اسکی دہری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پس از مرگ	رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں انگلی

پھر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجووں کا لمڈ ورا اتنا کھنچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری	لے برنج اے مصحفی برج اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ	لکھنؤ میں حسن کی بندہی ہی لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منھ میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار دیہاں قرمزی دوشالا	لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کئے ہو	کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں	لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

———	ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگلی

———	حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پہ میں گیا سوانگ بنا کے تو کہا	چل بے چل دور ہو کیا لیکے فقیری آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا	نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

جینے عاشق نہ کیوں اسکے مرے	کہ چشم شوخ اُسکی سے ہے ممولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد	قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

انشا کی مسخرہ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا رکو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے یہ شدت
وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے

میں گوز سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو
گر بول اٹھے او بجا کی چوں چوں مرے آگے

قدرت ہے خدا کی کہ ہوئے آج وہ شاعر
طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے

موسیٰ کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی
گو خصم بنے اسود انیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پاکر سنہ ۱۲۴۰ ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

م ۔ ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوے تو آپ کے عجیب وغریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی ۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ
پوچھ لینا اب کے جو آے پکر کر زلزلہ

اے ستمگر تو دکھادے انکو چلکر زلزلہ
جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ

اے عجب جاپان روس و مصر و لندن چھوڑ کر
ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ

آمد آمد پھر کسی پر کالۂ آفت کی ہے
پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ

ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہے یہی
دو قدم رہتا ہے پیچھے آن سے ہلکر زلزلہ

اے بت کافر تری چال سے اکثر ہند میں
آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ

مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہوگئے
اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے اسکے پیچھے ہاے بھولا شام کا | صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ
ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں | آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے | اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپکر زلزلہ
پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زار فنا کا | فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑ کر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی ... کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے - چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کرکے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا - نہایت مشاق قادر الکلام تھے - آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی - ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے ۱۲۴۲ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے - مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے - جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاے - اور اس صنعت خاص کو نہایت

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اسمیں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا سو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسلیے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تسبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور ان کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کیے تھا سبزہ رنگ اکدم جدا سب اپنے جینے کا
نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہے قاتل مرا
نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا
ابروے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میرا الفت میں آزاری ہوا
خلط صفرایاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب تیرے منھ سے ہے نکلتا بید ہب
سبزہ رنگ آج ہے تو زہر اگلتا بید ہب

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جوٹے ساتھ بیٹے ت
کیا کہوں اڑ گئے طوطے سے مرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کرتدبیر آج
دل مرا چاہے ہے سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں دل آیا بطرح
عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بطرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر ۔۔۔ تھا اسی دن سے غا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولامت ووٹر تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر ۔۔۔ پھسل جاتا ہی اکثر آدمی کا پانوں کائی پر

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں رخسار سبز ۔۔۔ دل میں جوں صوفی صافی دل کے ہوا انوار سبز

کائی ملدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس ۔۔۔ دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق ۔۔۔ جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف ۔۔۔ زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگو نہ اپنا ہو کہیں جی مائل ۔۔۔ اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں ۔۔۔ میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ میں ۔۔۔ ہووے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہیں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو ۔۔۔ یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگو کے مرے جی کی ۔۔۔ چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دنرات کی ۔۔۔ چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہوونگے لہری ہمسے ۔۔۔ سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں کے اب دل میں غم بھر آیا ہے ۔۔۔ کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

زور طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے ۔۔۔ یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفےٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من ۔۔۔ بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مقروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اِن کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت — ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ سے جس کا — ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربتِ دینار — ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے بمغز نارِیل کی طرح — سر لبسر ہے دماغ کی صورت
اُٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے — غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں — جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا — میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر اُن کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں — شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منخور۔ منشی اسداللہ نام تھا۔ جیچڑہ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت شائق تھے۔ اور اس میں دُگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے   لاکھ صورت سے اچھی بات بنائی ہوتی

کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل   جینے کے ترے غمسے مجھے پڑ گئے لالے
سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے   لو اور سنو یہ بھی ہوئے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے   صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے   پھر لیا زانووں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں   کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ اور یہیں انتقال کیا۔ اسکو ظریف لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے   اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانائی۔ ادیباق تخلص سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع   گشت رہبر طالع میمون من
کیسہ مالے باسرین چوں بلور   بہر مالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق — جملہ شہوت گشت در تن خو منن
طرفہ... بر سر... م نہاد — کاش بودے... او در... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منھ چڑانا ہی اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف یہ نکلی۔ جرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو ابتک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

سبزہ ہے رخ پہ یار کے اوصاف بھی نہیں — مہتر تمہاری جھاڑ و سے افسوس آجتک
بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو — مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی
جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ ٹوکرا — ہمکو اے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا - اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطبار کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی - چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجۂ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ - چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں - حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی - تو گر پڑے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کیوجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے - مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے -

مرا با تو سر یاری نماندہ است   دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت و زور   چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے - یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہو گئی - اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا - مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را   زیں واقعہ شیول است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود   پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی - مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی -

درخانهٔ تو آنچه مرا شاید نیست
بندے ز دل رسیدہ بگشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال
آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہو گیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود
چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثلے ست آنکہ گویند زناں
در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشا پوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زودگو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد
وز جملۂ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمند زریں نعلت
بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ ازبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہو گیا۔ اس کے سطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا بفگند و بکشت گفت کیں خو است مرا
سر بازہ بہ عذر می نہد بر پائم دم می دہم تا بہ کند پوست مرا

قاضی چو زنش حاملہ شد زار گریست گفتا ز سر کینہ کہ این واقعہ چیست
من پیرم و ... من نمی جنبد ہیچ ویں قحبہ مریم است ایں بچہ زکیست

آنی لکھنو ہیچ کس تو چیزے نہ دہی صد چوب مثل خوری و تیزے نہ دہی
منگے کہ از و روغن بزرگ گیرند گر بر شکمت نہند تیزے نہ دہی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا - بڑے حریف و ظریف تھے - نادر شاہی لڑائی میں زندہ تھے - سب تذکرہ نویس اسبات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے - میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو - سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو - بندہ بااو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند - مردمانرا بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر گاہے تبسمی میکرد - وطنش شاہجہان آباد جواں از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن - اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں - "در اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید - مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں - "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے - امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے - راہ چلتے سے ابھتے تھے اور جس کے گمند ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا - مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے - مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی اس میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا - مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ مل اے سوکھ مت پیچ کھا ۔۔۔ مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا ۔۔۔ چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا ۔۔۔ بھنور میں دیکھ کر جمنا اُسے غوطے میں جا گنگا

نہ لڑکو یار کو کہ خط رکھاتا یا منڈاتا ہے ۔۔۔ مئے نشہ کی خاطر لطف کے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے ۔۔۔ شعر وہ ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا ۔۔۔ جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جا پتے ہیں

جان ہے جیو ڑا ہے دلبر ہے ۔۔۔ پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن ۔۔۔ جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کہنے ۔۔۔ رقیب لاولد ناصح گو یا لڑکوں کا باد اہے

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھدیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں — مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹی کے پیچھے پھسلتے ہیں یہ شکار اکثر — جناب شیخ کو انداز ریشا ئل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں نامے — فلادرمل کو بھی انداز پیپرمل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا — پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فعَلَ یفعَل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر — ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب پلیڈر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب — اب تو کھدر کا انگرکھا بھی مراسل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار — شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر — لیلی اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کا دل ملتا ہے — نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا — مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رندانہ میں — لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے — پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسیں معلوم ہوتی ہے — دلہن بنجایگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا — رات بھر جلتا رہا صبح ٹھنڈی ہو گیا
ہوں رسالہ میں بھی اک ٹنکیر ور تاپش کا — رات بھر مرغا رہا صبح مرغی ہو گیا
اس مس کمسن کچھ نخ بردی جو بوسہ کی حکت — وہ لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گڑیا کی کھیلیں اُسنے لطف حاصل ہو گیا
وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا

اب انھیں یہ فکر ہے اسیر کریں کیونکر ستم
اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا

اب اس بتِ کمسن نے ڈالی ناک میں جسکی نکیل
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاتی ہو گیا

دیکھیں کیونکر کہیں آخر بتِ بے پیر سے
وہ ابھی بے پیر ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب روئے یار میں
کمرکھ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں

لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے
مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں

مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غیر پر
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں

لیلی کے ساربان کے شتر غمزے دیکھیے
مجنوں میاں کے کان بندھے ہیں مہار میں

معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی
وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں

دعوت کے ساتھ ہی مری السلطلبی ہوئی
بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں اُسنے بگھار میں

بیری پہ بیر کھائے وہ ماہرو ہمارا
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا

ملتا تو صرف تمسے شیک ہینڈ مانگتا ہے
ہم سے پٹا کرائی کیا آبرو ہمارا

کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ
دیکھا اُسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں
کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی میں اور دہن میں

جب چار بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب
کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹن میں

دشمن کے لئے تیار ہے بلی والا
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا

کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں
توند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر — ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی
راتدن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے — آپ ہیں پوری بلیڈی یعنی خاصے فول ہیں
کیا قلندر رہگیا ہیں کیا مچھندر رہگیا — ریچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا
ٹیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اجور کا — عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے — کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو — شب فراق مگر سب غمونکی نانی ہے
ہر اک لچک میں ہے مضمر مآل جوش شباب — کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے
یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر — کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزاروں اسکے اوپر رات دن — وہ بت بدخو مزار شیخ سدو ہو گیا
جب سے دشمن نے پڑھا ئیں پٹیاں اُس شوخ کو — سچ تو ہے میں تو بس اُسدن سے اُلّو ہوگیا
تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں — ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ اُکّو ہوگیا
یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا — مرغا ہوں مگر کوکڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیر زن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر — کوہ کن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مرگئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پہ سوار — اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز — ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں
ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا — اُسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

محبت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے
جو نوں کو تیرے پاجامے کی ہم کشمش سمجھتے ہیں

بلاتے بھی ہیں اور پھر بزم سے مجھکو اٹھاتے ہیں
مرے رونے کو بھی ہابادے مرے غرفش سمجھتے ہیں

اسی سے آگ لگتی ہے ہماری جان او رتن میں
تری گرمی الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں

غرض یہ ہے کہ تم ہر طرح سے جان لیتے ہیں
نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاہش سمجھتے ہیں

ٹاپے میں مجھکو بند کیا جبکہ دوست نے
مرغا سمجھ کے میں نے بھی شب بھر اذان دی

کی بال بال شرح ستمگر کے سامنے
مونچھیں منڈائیں اس رہت خود سر کے سامنے

پتھر بنے ہوے ترے در پر پڑے رہے
جس بات پر اڑے تھے اسی پر اڑے رہے

جوش جنوں میں باندھ دیے انکے ہاتھ پاؤں
کھینچنے سے وہ پیندے ہوے کشمش بھر کھڑے رہے

ان کے خرام ناز نے کی شوخیاں بہت
مرتے جہاں گرے تھے وہیں پر گڑے رہے

فرمایش اپنی جورو کی کرتا ہوں پوری سب
گھنگرو تو لادیے ہیں فقط اب کڑے رہے

آزاد کیا ہے رنڈیوں نے
جورو کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اطلس و کمخواب کی مجھے
کیا چیز ہیں یہ میر دریا کے سامنے

لیلی نے سب سہاگنوں کو حکم دیدیا
کوئی نہ کچھ کہے مری میا کے سامنے

عشرت ہے ایک مجھکو تو غم ہیں ہزار طرح
تو لہ بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے سامنے

یوں پھر رہا ہوں اس بت کافر کے آس پاس
پھرتا ہے بچھڑا جس طرح گیا کے سامنے

تعریف کیا کروں ترے ..... کی
سبزہ اگا ہوا ہے گڑھیا کے سامنے

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے
اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پر تمہارے
اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو تسطر میں
اونٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں
میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ
کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نا معقول کہتے ہیں سبھی اے نازوہ
جب سے مسہل میں ضرورت ہے انہیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہمیں رنج ہیں کیا اے ناز
یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو افیوں نہ ملی
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہونچے
میں نے ڈھونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز
جانب میخانہ ہم پہونچے تو پوٹلے گئے

بولتی ہی نہیں عادت مری محبوب بھٹیاری
وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دلمیں مرے طاقت جوانی کی
ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے
ادائیں تجھسے اچھی ہیں ابھی تک تیری نانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر
ٹماٹر بنگیا ہے یا چقندر...... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی
وہاں پہنے ہوئے پھرتا ہی جمپر...... والا

جو ہم خوشی سے کسیر دسا سر منڈاتے ہیں — تو کس غضب کی وہ آ کر چپت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے حسن ناداں جسے ملتا ہے — نسب معشوق کا میرے ہما کو خال سے ملتا ہے

نازنین ۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے ۔ مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان اداشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم تواں بزور و قوت سہراب طاقت کا ۔ نازنیان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے ۔ اس کے خم کے آگے زور آزمایان ورزش خانہ طاقت کا سر جھلکتا ہے ۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے ۔ اور یاران ادافہم اور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا نازو انداز وغمزہ طرازی وعشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ" بہر حال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے ۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے ۔ یہ صاحب دیوان تھے ۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے ۔ دیوان ناپید ہو گیا ۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے ۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی ۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے ۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے ۔

نہیں ناز نیں رنج کرتی کسی کا
گیا جب سے یار اور حسرت ہے کھوئی

بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے
اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی

خصم جب موا لونڈیوں کو رُلایا
کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی

ولیکن مجھے کالوں سے ہے الفت
غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی

لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم
میاں ذوق کو میں ہوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں۔ تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

ناز نیں اتنا بھی ہرجائی پنا
یہ تمھارے آگیا کیا دھیان میں

روز اک جھگڑے کی ہیں مہمانیاں
روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
بڑا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور یہ تماشا ہے
بوا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے
اے نگوڑے آدمی تو تو حیراں ہو گیا

سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا
عورت انھیں باتوں سے تراگھر نہیں ہوتا

ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر
لیٹا تو رہا پاس یہ کوسوں ہی نہیں تھا

میری ناز کھوئی اس مردوے نے آکر
اٹھی تھی اے ددا میں کمبخت ابھی نہا کر

اے زناخی مردوا ہے بدگمان
تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

رات بھر ہو وہی بات اور وہی چوما چاٹی
اے ددا ایسے نہ دیدے پڑا کا رہ مجھے

فوارہ کیطرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے
تم اک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

دس گھر تو جھپٹ چکے ہیں کہاں تک کروں خصم
کس جا بٹھائے دیکھئے اب آسماں مجھے

نازک - دور موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب داد ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے۔

خدا بچائے بوا مردوئے دیدے سے | کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ ندیدے لیے
کوسا لچی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی | سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو
چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی | طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی
انگلیاں بھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر | نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی
میں تو لو لڑتے ہیں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں | منھ سے کہہ لے ہمیں دیدے دکھائے کوئی
میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی لے بنّو | پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں
اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا | جو کائیں کائیں مچانے لگی موئی بطخ
ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھینیا | اب انڈے دے کے بھی کھانیلگی موئی بطخ
بیٹوں والی پوتوں والی | ہاتھوں میں چھلّے کانوں میں بالی
دانتوں میں مسی دانتوں میں مہرا | ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے | سب میں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا
وطن اصلی گلاؤٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ
سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو
ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں
شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسی وجہ
سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو
نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شائد کسی
شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی
ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن
فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت
حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے
عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب
اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے
دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہو رہی
ہے راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ سے نیاز حاصل
ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اسی نزار کے حال پر مبذول رہیں۔ گو
اب عرصہ سے خط وکتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت
گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں
غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا
چاہیے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب
تقریباً ۴۵ - سال ہوگی۔

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام وفا کا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑھائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے پڑھوار — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پانوں نکالے
پہلے تو اڑے مجسے وہ اگر میرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر حوالے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — بے مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دسترس پانوں تو دریاں بھی چٹے پانوں کی — ماردوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کر کے پریشان کیا کرتے تھے
ان کے لئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبتا ہو گیا — موت نا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا گیا

ایک مرتبہ مادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں　　جز خوبی بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر　　ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں　　ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب　　دادی ڈہرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بدلکر بدخو　　ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے　　اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کا دشمن رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گولی سے مارنے کو تھے ناہنجار　　وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت ہی جنھیں　　ہو جائنگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے　　سچا جھوٹے　　روتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے　　ساویار و جھوٹے کے منھ میں گوہ ہوتا ہی

نسبت ۔ میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا اِن کے کمال کا اعتراف کیا ہے - میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دہندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اُس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے - مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حدود اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں - بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے - مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے - افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے - مجبوراً دو شعر تذکرہ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں -

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھسے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ

بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

کیوں لال... والے کا تم لیتی نام ہو — فجری فجر نہ نام لو اچھی بڑی بوا

محل میں خواجہ بدامی نچھو مٹنے ملوے — یہ حکم آیا ہے انا جناب عالی کا

بھٹے میں ہر کسی کے پاؤں ہم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا ہے شوق ایلابی تمہیں جھگڑا چکانے کا

...کھولے کیوں بڑی بھرتی ہو کیا ماموں ہوا — دیکھو کیٹرا آ کے ڈھانکو کیا تمہیں ہوئی جن ہوا

بس پٹے سے اتنا بیلا پن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا تو ادرا ابھی سارا نہیں .....

شمع جلواؤ بگی میں... میں تیری لونڈی — جو بیلا چاہتی ہے کہ مر از یور پیدا

کہتی ہے انگلی سی گھر بار بسایا اُس نے — کرتی کیوں اپنے بنے پر ہی تو بہتان بجی

چہاتیاں کھولے جو درائی چلی آتی ہو — اجی بھنوئی ہے بٹیا نہیں شرماتی ہو

ممانی ماموں کہیں نہ دے وہ دیکھو بہن بجی کھائی دیتے ہیں — مجھے چھپا دکہ اے ڈر کے کلیجہ بیوا دھڑک رہا ہے

جاتا ہے وہ اندھیرے میں تا اُسکے واسطے — ایسا نہ ہو سیانی میں باندی جرائے شمع

کیلے کو دیکھ کر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کاش بگے نہ آتی مرا اس آن باغ میں

اور پر کے دل سے ہو یہ کہہ لیں نہیں نہیں
جب مرد وا ملو تو یہ دیکھیں نہیں نہیں

مجھکو یہ نسبت نہیں باتیں ہیں تیری ہاتیاں
جب نہ تب آ کر جو تو ملنے لگے ہے .....

نظر - جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے -

لطف آ جائے تو بنوٹ سے گردن ہا نہ جدا
سر جدا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا

پانی کے پینے کو رکھتا ہوں میں پیمانہ جدا
کھچڑی کھاتا ہوں میں وہ جبکا ہو پر انہ جدا

دیکھ لو چاندی یہ ہے سونے کا پانی یہ پھرا
روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا

آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹرغوں کی صدا
دور ہے بستی سے لے پیارے یہ ویرانہ جدا

عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل
وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا

بالٹی مے کی بھر دل پینے کو گھٹنوں گھٹنوں
ٹانک کی ٹانک ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا

خال کو چاہتے مستی سے بہت دور رہے
دیکھ لو رہتا ہے عناب سے بہدانہ جدا

نظیر - شیخ ولی محمد نام تھا - آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے - نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے - جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور اُن کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے - لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی - مذہب شیعہ رکھتے تھے - مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ شیعہ سنی کی تفریق تو درکنار ہندؤں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا -

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کی مطابق صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر" میاں نظیر جب مرگئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرو نانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا۔ اور اُن کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر وہ نمازیں پڑھی گئیں جسقدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی۔ اور اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہنود لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے جلائے کیا کئے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست ۱۸۳۰ء اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے نہایت زود گو اور پر گو واقع ہوے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہدینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق۔ شہر کی مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں۔ وغیرہ کا ذکر دینا

کی بے حقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - تماشبینی بھنگ چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنہیاجی کے جنم لینے کی کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید بقرعید - محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک ذخار دریا موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر کان چھدوائے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی بکمیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے - دنیا کی بے بقائی اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ دھن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لایعنی - ہماری بود و بے بود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دو کانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے کھلونے بیچنے والوں کی دو کانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھڑبھونجے کھیلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھیلیں باندھ باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں - چھوا آٹھ

کے داؤں کی آوازیں بلند ہوئیں - شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف اُٹھا رہے ہیں - بعض بڈھے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں - تماشائیوں کا ہجوم ہے - کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے -

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے - مگر یہ ایک صریح ظلم ہے - حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا - وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں - وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے اُن کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا - نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے - اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیے - اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے -

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہنچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اُسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے - اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح اُنہیں درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں - بلکہ طبیعت خود اسکو اکساتی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے - جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے - یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہیے - مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت ہے ہلکا اور کم انتخاب کرکے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر
آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں دیر
لو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر
جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منھ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منھ میں نہ ڈالے کوئی پانی
کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے بوئے
وہ کون سے گلرو ہیں جو ہمنے نہیں گوئے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھوئے
پرجھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں بلنڈوے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہمسے الٹ ہائے زمانا
جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داد الھبانا
ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے
دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے
آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہے بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہاے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں — اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑ آئی دائیں بائیں — کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا لو سائیں
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر کھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو لڑیں کٹ کٹ اڑتی تھیں کرکے گڈا — جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا اکھاڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا — کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا — اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ پھکا آکر ان کشتیوں کا کوڑا — چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہمنے پھر فسونکی — کشتی میں گتھری بندھ گئی ان چاروں بلبلونکی
سن سن کے جنہیں انکی لڑنے میں نخرغوں کی — سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے کونڈی کی ڈگمگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھتی ہیں تجھکو کچھ عیش کے جھڑاکے تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑجھڑا کے
پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کیوں بت بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل خلق ہے کیا کیا مچی ہو سبزیونکی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال بیلے کا پھلیل پھر چڑھا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل
مرشد مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن میری کچھ لگتی نہیں للہ سے دل کی لگن
سنکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن جا شتاب اور جلد سبزی لیکے اک دو چار من
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا کمبل کو ادھر ہمنے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا منھ اُسکے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے | چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے | اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے

کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہمنے جو پی مل کے گلابی | اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی | گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اُسمیں سُنے غیر کے کھٹکے | چھپ چھپ گئے اُٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اُستے ڈھیک ڈھپ ہوے جو ہارے | کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پا وے

چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنتا | اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا | اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا

سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار | اور یار کے گجرے بھی تھے اگ دہون کی مقدار
انکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دہواں دہار | جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار

روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانیں حسن نمیں پرتیاں ہیں | سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دلمیں بھی سرتیاں ہیں | اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں انکی تیاریاں پڑی ہیں
ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں
اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں باڑی ہیں
منھ کو چھپا پلنگ پر بجلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپٹا
کہتی ہے ہنسکے کافر چٹکی لے یا نہٹا
تمسے تو دل ہمارا اب ہوگیا ہے کھٹا
تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرا دوپٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی دیکے پیسے
کہتی ہیں شاد ہو کے یوں اپنے آشنا سے
برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جاں پیارے
احمق ہو جو پلنگ سے اب موتنے کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی یہ کھیت کی بوٹی ہے
پتوں کی جھلک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جسکے لگی اُس سے پھر کاہیکو چھوٹی ہے
یہ تان ٹکورے کی اس بت پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر خنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں جہاں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا
تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
پاپی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا
اکدم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آو قلندر
وہ کیا ہوے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بھینا یہ گزرتی نہیں ڈھڈ ہو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈ ہو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈ ہو
کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈ ہو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھاپنو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھاپنو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی جھانپو
وہ کون سا دن ہوگا جو مر جائیگی جھانپو

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آ دہی آن ڈٹی
آدھ پر دس کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نکیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور رہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو اُن کے احباب نے نکیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کر لیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے آور وکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے چنانچہ کلام کا نمونۂ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی
پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی

اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی
قسمت پھری کسی کی شامت کسی کی آئی

جب ایک کا بھی تمسے مطلب نہیں نکلتا
لے لیتے ہو تو پھر کیوں دنیا سے مفت پائی

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو
لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی

دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونکدے گی
اب ہوگئی اُسکی ڈبیہ دیا سلائی

اب تو مزاج دشمن کٹھلو نہ چل رہا ہے
اُنکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی سگائی

اُنکے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے
چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی

بے شبہ اے نگیلے تحقیق ہے سلف سے
جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر میخانہ نصیبہ سے اگر تو ہو جائے
بے پئے پھر تو عدو کاٹھ کا الو ہو جائے

بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفر ہو جائے
میرے آگے سے عدو نو کدم آہو ہو جائے

دام تزویر اگر زلف پریرو ہو جائے
اس بھنور جالی میں پھر الو ہی الو ہو جائے

شب وعدہ بہت رو دیا انیس زخم پنہانی
دفور شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی

چکیدن بے محل ہکایہ ہے اے ابر نیسانی
نہ ہو بطن صدف میں بوند جیسا لعل بدخشانی

عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں
مگر ابتو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی

بہت مشکل تمہارا آشنائی کا سمجھ لینا
مگر چالاک دشمن اور کسی کا وقت نادانی

کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہے مستانہ
کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ مستانی

شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں
کبھی سنبوسہ بہن کبھی ہے گشت بریانی

نگیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے
تو اب پہونچا پکڑنے کیلئے کافی ہے ربانی

رہنے والا عیش منزل کا نئے مسکن میں ہے
خون حسرت گردش ایام سے گردن میں ہے

پیٹ کی خاطر سپاہی سر بکف پلٹن میں ہے
ان نفقہ کے بدولت تو کے دامن میں ہے

شہ سواری کا ہنر چابک سواری کا کمال
صرف اک راز خفی ہے جو نہاں آسن میں ہے

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور
سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر
ذائقہ کچھ اور ہی گھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فرد خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ
عفو کا فرمان نتھی رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ نکلن
جنس ہستی کا ذخیرہ گو مرے دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال
جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ بند بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے
نیام طیش میں شمشیر مادر زاد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہی آشیاں میرا
بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کہ نی آیے میں اپنے ہوش میں اپنے
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے

مجھے تاڑی بقطرے اگر دینا ہے اے ساقی
مرے دشمن کے پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت
نکر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

موںج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے
اس ادا کے بھیس میں کنجڑ کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ ہستی تاڑ کی بے کار ہے
یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار ہیں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے
بے حیا بھی کیسی بکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے
یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے

پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو ہمیں
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوہار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس
کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری
ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جلبیا بھی ہو — یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے
کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر — زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ کردار ہے

آباد ہے الو سے ہر قبہ ویرانہ — ہر ٹھونٹھ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ
حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ — ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ
ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی — ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ
دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے — آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ
بوتل مئے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ — ہے اب تو چڑیل اسمیں جو گھر تھا پریخانہ
کوئی بھی شب وعدہ حسرت نہ رہی باقی — لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ
جسطرح کمینوں سے رونق ہو مکانونکی — آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو — گرد گھمانہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جاے
اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی — آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جاے
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا — اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جاے
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا — ناوک ناز اگر دلمیں ترازو ہو جاے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ — بے شرم ہے جلیس بڑے بے حیا کے ساتھ
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے — منگنی ہوئی ہے جب سے کسی تانگہ کے ساتھ
صحبت سے بھاری پانوں ہوا ہے جو آپ کا — شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ
اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو — اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا — دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چیں سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے "مائی ڈیر مسٹر اودھ پنچ۔ گڈ مارننگ قرآن شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا تَرَ اَنَّهُم فِی کُلِّ وَادٍ یَّهِیمُون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں
جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دنرات وہ روتے بیٹھے
افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

ہونے سے مری یہ گھڑی چل رہی ہے
زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی
یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے
اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو
ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریما بہ بخشائے پکا پلاؤ
جو کمتے نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریما بہ بخشائے پکے ہیں آم
نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریما بہ بخشائے پکے ہیں بیر
کھلانے میں ان کے کرو تم نہ دیر
کریما بہ بخشائے پکی کھجور
بلاتے ہیں کھانے میں ہمکو حضور

کریما بہ بخشاے پکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشاے پکے کٹھل — اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اچل
کریما بہ بخشاے پکی ہے دال — اسے کھا کے ہو جاؤ گے کنبہ پال
کریما بہ بخشاے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشاے ٹوٹی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشاے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہی سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشاے پھوٹی ہے آنکھ — لے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشاے ٹوٹا ہے سر — کوئی آئے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشاے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

ندارم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے ٹپکے جو گنے کا رس
نگہدار مارا ز راہ خطا — کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زبان تا بود در دہان جایگیر — کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — بڑا مجھکو جسکا برا آم کا
سوار جہان گیر یکران براق — کھلا دو سب مجھے ایک روشن طباق
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بری ہے تری ابتلک سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تاکتی جھانکتی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — پہن کوٹ پتلون پھینک اب ازار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتارا آیا — سر پہ احسان بڑا ہے نانی کا

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا ۔۔۔ پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سردی ۔۔۔ چھوڑ دو پیچھا تم رضائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پر ۔۔۔ ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سیری سہیلی ہے ۔۔۔ گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا اللہ بیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی ۔۔۔ لے روپیہ کی تھلیاں آتی نہیں دمڑی کوئی
پالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی ۔۔۔ مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چار باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام ۔۔۔ کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر ۔۔۔ از حضر رخت بست سوے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت ۔۔۔ باز سوے مکان خویش شتافت
چندگہ راہ بادیہ بہ برید ۔۔۔ تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے ۔۔۔ کہ درو بود یکمنے دنانے
چوں بخوردن نشست آں سرمرد ۔۔۔ عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بوے طعام ۔۔۔ پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد او را جواب و گفت کہ ۔۔۔ پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام ۔۔۔ دشت پیماے از برائے توام

گفت از خیل من خبر داری
بدوی در جواب گفت آری

گفت چون ست احمد آن پسرم
که ز هجرش کباب شد جگرم

گفت از فضل و رحمت یزدان
باغ حسن ست خرم و خندان

گفت چون ست مادر احمد
گفت صد چوں برابر احمد

گفت چون ست قصر و ایوانم
گر غمش بر فلک شد افغانم

گفت آن قصر دلکش و ایوان
داغ رشکے ست بر دل کیوان

گفت چون است آں سگ در من
که بود به ز شیر نر بر من

گفت او خاک آستانه تست
روز و شب پاسبان خانه تست

گفت آن بارکش شتر چون است
کز غمش دامنم چو جیحون است

گفت باوے که فربه است چناں
که مساوی است پشت با کوهاں

چوں عرب قصه را شنید تمام
بادل جمع کرد میل طعام

خورد خنداں که سیر گشت ازاں
بدوی را نه داد و بست انباں

بدوی چوں خساست او دید
بر خود از درد جوع مے پیچید

ناگهاں دید کز کنارهٔ دشت
آهوے در رسید و تند گذشت

بدوی چوں بدید آهو را
از دل خسته جست آه او را

چوں عرب آه دردناک شنود
گفت باوے که آه بهر چه بود

گفت ازیں بود کاں سگ در تو
گر نمیگشت صدقهٔ سر تو

آهوک را نمی گذاشت کنوں
که ازیں دشت جاں برد بیروں

گفت اے واے آں سگک چوں مرد
گفت از بسکه خون اشتر خورد

گفت خون شتر که ریخت بگو
خاک بر فرق من که بیخت بگو

گفت کشتند اشتر سره ات
که دهند آب آتش همشیره ات

گفت اے واے زوجه ام چوں مرد
رخت هستی احیاں بخاک سپرد

گفت از بسکہ کوفت سر بزمیں | از غم فوت احمد مسکیں
گفت اے دائے چوں گزشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت | بدوی ناں دگوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعرا میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جائے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف واکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینۂ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونۂ کلام

یہ ہے ۔

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لیمپ سگرٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھر کم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
مغبچوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف ساماں ہے — دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پاؤں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب اک ڈگری ہوئی

اے بی جو نہ کہتے بنے بی بی کہیے — دائن جو نہ کہتے بنے ڈہکی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ حرج نہیں — نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لونڈر سے

یہی اچھے بُرے ہر حکم انجام دیتا ہے
اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب و حبیب کر
جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو خبیث اس کو ضرورت دوا کی ہے
شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر
مرغی کڑک ہے مرغ ابھی ہے گریز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے
عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد بوڑھے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو
مل گئی اچھی بلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی
سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکر نبھے گی شیخ سے لیڈی کی رسم و راہ
موٹا سا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری
پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کیا دوستی بڑھائیں آپس کیا بنائیں
ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں
بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں
وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں
پرائی بدشگونی کے لیے کٹواؤ ناک اپنی

بڑے دن میں یہ کہکر لیڈی یوں کے ساتھ سوتے ہیں
جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا
عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو
مجھکو انگریزی مٹھائی ہوگئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب
اپنی بی بی تک پرائی ہوگئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ
وہ ضعیفی میں ملائی ہوگئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا - مشہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی - نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اُسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنادیا تھا - اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہوگیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں ؎

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں
کنند لوح مزارم ز مہرہ و دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو سہ نیم
بیکدگر نرسد گر ملب رسد جانم

حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع
غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات ورشتہ
داری کی وجہ سے خود بھی دہر قریور تحصیل زمینہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداثت
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا سواہی
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ شغلہ اسی
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے
اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اُسکا
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں
دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ
تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واہی
جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سُنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سُناو ضرور سُناو -- انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سُنایا مرزا نے تخلص سُنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجیے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا - لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہیے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے ‏ ‏ ‏ آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کرلیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لئے تجھکو چاہئے
رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسیوجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہی انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہوگیا - واحی نے کافی عمر پاکر ۱۹۲۱ء میں بمقام دہر مربور انتقال کیا - آخر عمر تک اُسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا وہی رقیب ہے بنوا کہیں جسے
ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں سے

آے طوفان جو وہ بت بہ تسلسل موتے
ساری دنیا ہوتہ آب اگر کل موتے

واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے
دہن تنگ دہناک تکمر ہری کٹ تک دہر آنکھ

بل دکھائیں جو کہیں آپ کے گیسوے دراز
سانپ دہشت سے لگے خوف سے سنبل موتے

غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا
کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب بی کا کل موتے

ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے
بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے

قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے
کیا قیامت ہے کہ اسپر بہ تجاہل موتے

گدُ ناگدار ہی ہے چماری جوناک پر
تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں

مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے
ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں

واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح
دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے ۔بسواں ضلع سیتا پور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے ۔نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں ۔جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں ۔اور کبھی کبھی اقتضاے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں ۔مگر بہت کم ۔شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں ۔ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے ۔اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں ۔ایک ویڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں ۔اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی ۔پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں ۔راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے ۔نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع ۔خوش تقریر ۔اور علم مجلس کے ماہر ہیں ۔میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے ۔وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے ۔مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا ۔واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہو گی ۔نمونہ کلام یہ ہے ۔

کرمنل کورٹ سے بہتر کوئی ٹھیکری ہی نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی زادے
مستقل دڑے میں جنکے لئے قادر ہی نہیں

ہیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سلکٹ
ان بڑی بی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار ہیں برابر شریف اور چمار
بی اے کرتے ہیں مُرمُرے کی دکان ایم اے بیچیں چار دل میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ آپ ایک ہیں بنو اس پہ بجیں گے خود نہ ہیں سا کیسے بنیاں ہیں

واہ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا اور صید کے گھر پہونچا کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الو کا پٹھا تھا
ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا نہ لنجا تھا ۔ نہ گنجا تھا ۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا
نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ہاتھوں میں بدھنا تھا
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے نہ لیلیٰ اُن کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ ۔ وحید الحسن نام ہے ۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے ۔

کبھی دیکھی جو صورت صبح کو اس آفت جاں کی ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی پھانکی
ہمارے یار کی باد صبا اک مہترانی ہے صفائی روز کر جاتی ہے اگر کوے جاناں کی
دکھائی دور سے ارماں کی گٹھری بڑھ کے مجنوں نے کبھی لیلیٰ سفر میں پردہ محمل سے گر جھانکی
شباہت چھوٹی آنکھوں نے تری بھوڑ لیسی پائی ہے ہوئی ہے گرم بازاری یہی باعث ہے ٹیاں کی
خدارا مجھ سے سمجھا کے لیلا گھر میں تو اُسکو بُری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی اماں کی
منڈا کر داڑھی مونچھیں بات کرتے ہیں مرے دلبر ادہر تصویر بنجاتا ہے کالج کوے جاناں کی
وہ تتلا کر کبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھ سے خدا رکھے زباں اب کل یہی ہے میرے ٹیاں کی
لدا پھرتا ہے دن بھر واہ کی ہر جان آفت میں کریں کیا یار کو جھٹ پٹ ہے عادت ہی گھریاں کی

وجود - سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رگڑنے جرف میں جب جھکایا — بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت - آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے سنہ ۱۸۹۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہوکر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لغویات سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ یہی رہا۔ سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کرلی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۲ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہوگیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنو اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے اڈیٹوریل اسٹاف میں بہ حیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے - میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم وجاہت میں لکھے ہیں - نمونہ کلام

واعظ اور سر سیّد

تظمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا
پھر تو وہ خود کو دلمیں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلا
سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا
شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم
سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یادِ خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم
ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج
سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا رواج
اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر
کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر
افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرو نمیں مسجدوں میں رہے آپ عمر بھر
یہ زہد خشک آب وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی
چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل ہیں جا ئیں سیر کریں کافی شاپ کی
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں
میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دلدار دلستان و دلارام و دلنشیں
نو خیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سپریوں کا واسطا
اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا
اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا
رُک جائے اگر تو ہنسکے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام
افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وسکی کا ایک جام
اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں
پیرو دین مسلمانی ہوں میں
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی
صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام
معتکف یا قطب ربانی ہوں میں

آگیا نانوسے کے پھیر میں
حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں

نفس امارہ کا دشمن بن گیا
یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں

کیوں نہ دردِ قوم کا دورہ اُٹھے
غمگسار نوع انسانی ہوں میں

ہوشیار اے اہلِ دنیا ہوشیار
افتراو مکر کا بانی ہوں میں

یہ مری ریش مقدس واہ واہ
خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں

کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ
اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں

اے وجاہت ہے یہ مرا اصلی حال
سچ یہ ہے ننگِ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورشین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدرالنسا سے
کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری

نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے
پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری

سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں
خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری

بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا
لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری

وہی کرتی انگیا وہی بند محرم
چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری

لڑائی میں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے
چلاتی ہو بیڈھب چھری اور کٹاری

نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا
نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری

ہو پردہ کے زندان میں تم مقید
تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری

مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں
یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری

تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اُسنے
پڑے بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری

کہا سُن کے بی بی نے لے میم صاحب
بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے / بہت تم نے بڑھ چڑھ کے شیخی بگھاری

تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر / بنی پھرتی ہے میم میری بچاری

نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم / تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری

کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں / پھٹکتی نہیں پاس تک شرمساری

ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت / پسند آئی بائیسکل کی سواری

نہ اتراؤ میموں کا سایہ پہنکر / کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری

چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا / نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری

خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی / بیاہی مسز اور مس ہے کنواری

ترقی کرو علم شائستگی میں / نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری

اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا / بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری

کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا / حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری

ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی / ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری

نہیں ملک میں رعب داب اپنا کچھ بھی / حکومت سے پھبتی ہیں باتیں ساری

مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو / ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا / کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا

گرے اسمیں عشاق کے دل بہت / ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا

میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ / ان کے گھر کی دکان ہے گویا

خوبرو سب مرے دل میں رہتے ہیں / یہ حسینوں کی کان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے / یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل ہے نیا ڈھنگ اس پُرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں پیچ کس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں راجہ تھا بن کی راجدھانی کا
سوت کرتی ہے چاروں خانے چت ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا بزدل نہیں تھا بُز تھا کہ یوں صاف کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں بے ٹکٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح ق یہ جانتے تھے اسکا بس اب پاپ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پہ رندوں نے پشت پھیری تو اُٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیماروں کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہماروں کا

قتل کرڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خون سے توسنِ عمرِ رواں بنجاے دلدل کا جواب
ہے خمِ محراب ابروے صنم کیا خوشنما بحرِ عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قُل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پر — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھول کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولھا کے منھ پہ لگتی ہے اگر دلہن کی شاخ

رندو چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مرگیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے سے آشاموں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پہ دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھولکر کبھی — میں ان کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کرڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مے کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے موذن بھی اذاں — آدمی کوئی اگر ہو جانور آسا تو ہو

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنے
قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر رسّا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں
عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت
پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہی بس دم کی ہے سچی جاں نثار
ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے
جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری
سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی
رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ
پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں
وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا
ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اک دن
سگِ لیلیٰ کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام
چاق چوبند یہ بچھیرا ہے

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل — مرے گھر نئی پچلپڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے — یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں — وجاہت ہی کی جھوپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہ ناز سے — لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہمنے کوے دلربا کے سامنے — تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھسے اور اُن سے رات میلے میں — میں کہتا تھا ہمیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو — اگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کفِ پا کا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مادل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضاے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا ٹک جو آغوش میں میں تو بولا — اسے چھوڑ کب تک مسلتا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لیے غیروں کا پڑے پھرتے ہو — ہم جو دامن چھوئیں تو آپ جھٹکتے جاویں

وصل کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دسترس — میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدر آباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں — نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں — صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں — زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ منھ میں تو سر پر ٹرکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر — چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی — تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے — پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو — فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں — تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی — برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے — کہ شاعر ہی زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں — اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن — بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے — اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں
انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کھکر یاد کرتے ہیں
یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کئے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل ہیں کیا کہے گا — مجھے بدنام کیا کرتے کہیں ہیں جا دنگی چھوڑ

رضا گر مجھکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا دارو — اگر مجھ ہو دیگی فرصت صبح پھر آونگی چھوڑ

ہائے وائے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھ دی۔ اونمیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب تعداد میں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہائے وائے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶- مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو۔ مگر مجھکو صرف یہی ملا۔ جو معہ نثر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی، لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - بننے سے یہ نہ خیال فرمائیے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شرا شری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری ٹپہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کرکے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع نہ گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے۔

روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دے گئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ
دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ

کس کو غزل سنائیے داد کہاں سے پائیے
روئیے اور رولائیے ہائے امیر وائے داغ

کرتی ہیں رنڈیاں بین جو کسبیں اکٹھے شور و شین
غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ

کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے
کہدے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ

وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی دکن ہی جائینگے
مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ

ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے
غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ

بسکہ مرض تھا لا دوا ہونا تھا جو وہی ہوا
دابا اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روئداد ہے ورنہ غزل ہی یاد ہے — رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ
غم سے جو آپ میں نہ آئے سال وفات کیا سنے — کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر وائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم حضوری رہ گئی — کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر — مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا — میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھسے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات — سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی
پر کتر کے لے گئے داغ اور از روے قلق — شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشنبر ناتھ صاحب سپرد تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنبا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تبلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا اُسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف نخشوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات اور رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعرگوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کرکرا ہو گیا دے چرس — ندارم غیر از تو فریادرس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست
نمک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پرمیوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی رہ گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سنبھل — نہ نہ سوز او شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ ناگہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پئے ہے وہی آدمی — نہ زیبد نہ مردم بجز مردمی
میاں بحر پینک میں آٹھوں پہر — بغفلت مبر عمر در دے بسر

بحر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک۔ قومی نفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے — زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے — خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آرہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے — نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمھیں با خدا تھے — بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے — بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک — یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک — یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سُن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے - شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو - انہوں نے اقرار کیا - جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ - انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں - بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے - انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں - بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا - مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا - تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جاے گا - ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہملہ کہکر نذر گزرانا - تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق تین دانت اکھڑوا دئے گئے - اور بقیہ اشعار کے صلہ میں وعدہ عطاے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا - چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں -

اگر عاقلی بخیہ بر مہ مزن ۔۔۔ بجز پنبہ بر نعل آہو مزن

برغم ملک ترکتازی مکن ۔۔۔ باہنگ ماہیچ بازی مکن

کہ نعل از تبسم مربا شود ۔۔۔ بصبر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شاش بر دعاے گوز مکن ۔۔۔ رخنہ در ہر جوال دوز مکن

دم بخر طوم زندہ پیل مزن ۔۔۔ سائباں بر سر خلیل مزن

—— ✻ ——

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پلے خشخاش | مکن چوں سرمہ داں در جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد | کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است | کہ ایں ناداں بجائے عاشقاں است

ہُد ہُد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اور پورب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلّی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا۔ اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطلب کی بھنک پڑ گئی جو میاںجی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفراں زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب۔ جو معنی کان تک پہونچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہکر چلے گئے۔ اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنادئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو ڈھول میں پول نکلا۔ پس پھر کیا تھا۔ ایک چیز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے چلیں۔ انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھرے کا کھرا غزل کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران تھی اسمیں کچھ اپنا تصرف کرکے بالکل دیوار قہقہہ بنادی۔ آئے دن مشاعرے ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ یعنی نوکدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ آسیر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے جواب دیا کہ تجویز کردیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہُدہُد تجویز کردیا۔ انھوں نے منظور فرمالیا۔ آخروں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کرکے موجودہ تخلص کا اظہار کردیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ ہوگئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب تک خوش ہوگئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کردوں — تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کردوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار — تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کردوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آگر — تو اُسکے نوچ کے پر شکل نیولا کردوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے — فلک کہے ہے مقدر میں باجرا کردوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی - باغ باغ ہوگئے - اور فوراً طائر الاراکین - شہپر الملک - ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگّے کے لئے مقرر کردیئے - پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہوگئے -

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی - مکانات گرے - حویلیاں تباہ ہوئیں اُنھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہوگیا - انھوں نے حکیم صاحب سے کہا - حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کردی - پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں -

جز تیرے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے — کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار — ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پو لئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوے عمر — کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بو لئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھیو اے دل تا کجا — فکر کیجے صرف آئیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز — یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں ہیں موئیے
دیدے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے — مارتا پھرتا ترا ہدہد ہے ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی - انھوں نے ایک درخواست نظم کرکے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔

راجہ دیبی سنگھ خانسامانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے
خدا کا فضل ہے جو قلعہ میں تو آپ راجا ہے

سلیماں نے ہی تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی
تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجا ہے

شکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے
دمامہ تیرا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے

کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا
مگر ہدہد کو دیدے کیونکہ یہی ہدہد تیرا کھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کردیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے
انداز ہے اک نیا نکالا سب سے

سردفتر لشکر سلیماں ہے یہ
اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے
تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا
غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دل لگی کی۔ غزل میں دو دو ایک ایک شعر ایسے بھی رکھدیتے تھے جنمیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے۔ پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح شہپر مضراب نہیں

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریادل آدمی تھے اُن پراُن باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازی گاہ بنا دیا۔ مگر۔ قبول خاطر لطف سخن خداداد ست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہُدہُد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نرشیو نکا دادا ہے — مقابل تیرے کیا ہو تو تو اک جرہ کی مادہ ہے

گراب کے باز ڑی میدان میں آئی سامنے میرے — تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے — ہوا معلوم یہ اس سے کہ فکر تیرا کشادہ ہے

ادب اے بے ادب ابتک نہیں تجھکو خبر اسکی — کہ ہدہد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہے

جب وہ دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑنچھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے پالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہُدہُد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی فغرو ہو گیا اُسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جون آیا ہے عدو اپنے بدل کوّے کی — اسکی ہے پانوں سے تا سر وہی خو کوے کی

وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹرٹیں اسکی — بات چھوڑی نہیں دہاں اک سرِ مو کوے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا — پھر جو معلوم کیا ہے یہ بہو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ

دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں لو کوے کی

———— • ————

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وہی اقدوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہرچند ۔ عبدالکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں ۔ زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں ۔

ہم جو کم ہیں عیاش ضیق تنگدستی ہے
ورنہ ... وا سے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ گو تھے ۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہے ۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتًا درج کیا جاتا ہے ۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ کہا ۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کرکے ان کو سنا دیا ۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی
سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا ۔ البتہ ایک مجموعہ ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی ۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے - اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف		اے منجم جب فنا فی ..... تو ہو جائیگا
خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی		اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہوگیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعرو شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُس وقت یار تخلص کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم وصلوٰۃ متشرع ہیں اب تقریبًا ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جوان کو چکھتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں — لبوں میں آپ کے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار — میں دُبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

ادا بسن کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں — نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے — مرے حصہ میں بھبٹ ہے ترے حصہ میں کونٹر ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا — بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے — پر اب بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا
موت کی دھار میں بہتا ہوا ایسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا
کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں غش کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار
ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ پہ الو ہو کر

خانہ بر دوش اُسے کہتے ہیں اے زلف دوتا
اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار
ڈھونڈھکر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلی کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا
آپ سمجھا دیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینانِ جہاں ہیں مالکانِ نقد دل
انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی - مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی - چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

دختر رز سے رات صحبت تھی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

پیل - عبدالقادر نام تھا - دہلی کا رہنے والا - اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا - اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اسپر غالب آیا - اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اسپر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا - چند شعر یہ ہیں -

کہدو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے — ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اُس دبنگ سے
پھرتے ہو پیل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے — مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے
لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے — ساقی نے پشت دی مے صافی کو بنگ سے
دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر — واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں اد لگی امنگ سے
آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا — یاری تو تم نے کی ہے پیل اس شوخ و شنگ سے
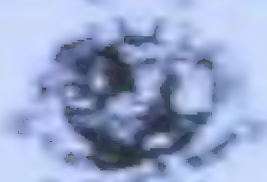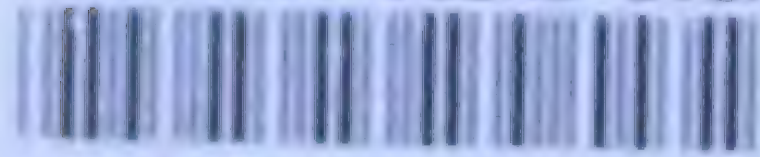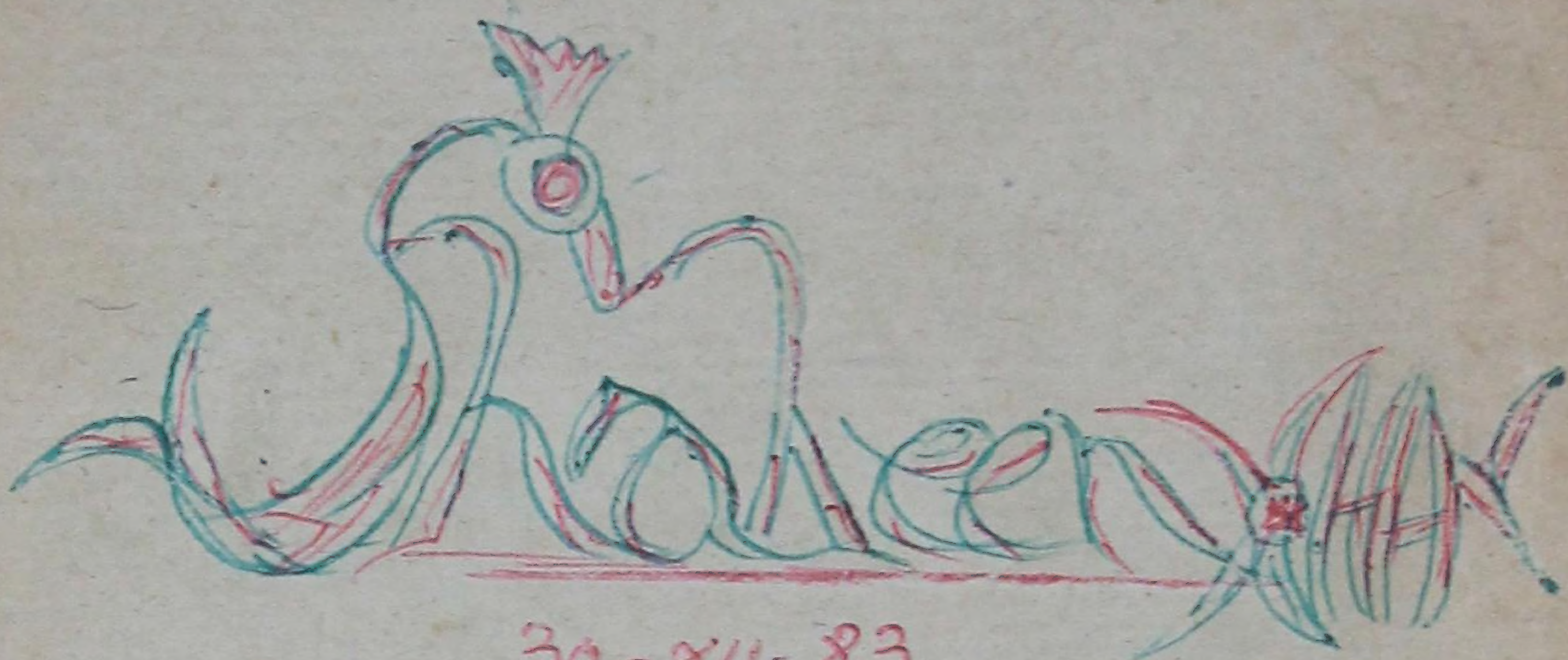
مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ باہتمام نیاز فتحپوری

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"